ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
28 جون تا 4 جولائی 2001ء

☆ بالآخر جنرل پرویز مشرف صدر بن گئے! (تجزیہ)
☆ غلبہ و اقامت دین کی منزل مرحلہ وار طے ہوگی (منبر و محراب)
☆ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور پھر آیا چاہتا ہے (گوشۂ خلافت)

نظام خلافت کا قیام...... دنیا کا مشکل ترین کام

''نظام خلافت کیسے برپا ہوگا؟'' اس ضمن میں میرا تاثر یہ ہے کہ یہ کام اتنا مشکل ہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ نے اس نظام کے دوبارہ برپا ہونے کی صریح خبریں نہ دی ہوتیں تو ہم کبھی یقین نہ کرتے کہ یہ کام دنیا میں ایک مرتبہ پھر ہو بھی سکتا ہے۔ میرا یہ تاثر اس لئے بنا ہے کہ پوری تاریخ میں یہ دور سعادت صرف ایک ہی بار دنیا نے دیکھا ہے۔ اس کام کے مشکل ہونے کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے اس کام کی تکمیل کسی بھی رسول کے ذریعہ نہ ہوسکی۔ اب رسالت و نبوت تو حضور اکرم ﷺ پر ختم ہو چکی ہے تو ایک ایسا کام جو اس سے قبل رسولوں کے ذریعہ بھی نہ ہو سکا، وہ اب امتیوں کے ہاتھوں کیسے ہو جائے گا۔ انسان کی محدود عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ جو کام تاریخ انسانی میں صرف ایک بار اور وہ بھی سید الانبیاء المرسلین کے ہاتھوں انجام پا سکا ہو وہ دوبارہ امتیوں کے ہاتھوں ہو جائے گا۔ پھر آج کے دور میں زمانے کا جو رخ ہے، انسان جس طرح مادیت پرستی میں غرق ہے اور تمام دنیا کا مطلوب و مقصود بھی یہی کچھ قرار پا چکا ہے تو عقل آخر کیسے یہ تسلیم کر سکتی ہے کہ یہ کٹھن منزل بالآخر سر ہو جائے گی۔ پوری انسانیت پر مادہ پرست تہذیب کا غلبہ ہے۔ عالمی سطح پر اباحیت، عریانی اور فحاشی نے ایک آرٹ کی حیثیت اختیار کر لی ہے اور ''کلچر'' کے نام سے اس کا فروغ ہو رہا ہے۔ یہ پوری دنیا کا رخ ہے جبکہ اسلام بالکل دوسرے رخ پر انسانیت کو لے جانا چاہتا ہے۔ اس لئے اس کام کو آسان سمجھ کر آگے بڑھنا اور کام کرنے کا بیڑا اٹھانا سخت نادانی ہے۔

میں یہ باتیں آپ کو پست ہمت بنانے کے لئے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ آپ سوچ سمجھ کر قدم بڑھائیں تاکہ بڑھنے والا کوئی قدم مشکلات کو دیکھ کر پیچھے نہ ہٹے...... یاد رکھئے یہ مشکل ترین کام دوبارہ ہونا ہے اس لئے کہ اس کی خبر دی ہے محمد رسول اللہ ﷺ نے جو ''الصادق والمصدوق'' ہیں۔

(ڈاکٹر اسرار احمد کی کتاب ''خطبات خلافت'' سے ایک اقتباس)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الهـــدی

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ البقرۃ (۲۳)

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ٥﴾

''جب ان (منافقین اور یہود) سے کہا جاتا ہے ایمان لاؤ جیسے سب لوگ ایمان لائے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم اس طرح ایمان لائیں جیسے بے وقوف لوگ ایمان لائے ہیں۔ جان لو یہ لوگ خود بے وقوف ہیں لیکن شعور نہیں رکھتے''۔

یہاں اہل ایمان سے مراد ابوبکر صدیقؓ' عمر فاروقؓ' عثمان غنیؓ' حضرت علیؓ' حضرت حمزہ رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام اور وہ تمام مہاجرین و انصار ہیں جنہوں نے ہمہ تن محمد ﷺ کی اطاعت قبول کی تھی۔ اس آیت کے مخاطب یہودی بھی تھے اور منافقین بھی۔ یہودی کہتے تھے کہ ہم چونکہ توحید و آخرت کو مانتے ہیں لہٰذا ہم مؤمن ہیں۔ باقی رہا یہ سوال کہ ہم موسیٰ علیہ السلام اور اس کی کتاب کو مانتے ہیں اور تم محمد ﷺ کو اور قرآن کو مانتے ہو تو اس سے کیا فرق واقع ہوتا ہے' لہٰذا ہمیں بھی مؤمن تسلیم کرو۔ جبکہ منافقین ایمان کے دعوے کے باوجود نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کلی سے گریزاں تھے۔ لہٰذا یہ آیت ان دونوں طبقات پر صادق آتی ہے۔ چنانچہ جب یہود یا منافقین سے کہا جاتا تھا کہ ایمان لاؤ دوسرے مؤمنین کی طرح' تو وہ کہتے کیا ہم ایمان لائیں جیسے کہ احمق لوگ ایمان لائے ہیں۔ ''سَفِیۡہٌ'' جس کی جمع ''سُفَهَاءُ'' ہے' ایسے شخص کو کہتے ہیں جسے اپنے برے اور بھلے کا فہم حاصل نہ ہو۔ سورۂ نساء میں کم عمر یتیم بچوں کے بارے میں آیا ہے: ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ﴾ یعنی انہیں اگر اپنے نفع اور نقصان کا شعور اور اچھے برے کی تمیز نہیں ہے تو مال ان کے حوالے نہ کرو۔ انگریز کے زمانے میں بھی کورٹ آف وارڈ کا قانون تھا۔ کوئی بڑا زمیندار اور جاگیردار جس کی اولاد ناسمجھ ہو یا آوارہ ہو گئی ہو تو حکومت جبراً کورٹ آف وارڈ مقرر کر دیتی تھی کہ وہ جو کھائیں پئیں' ان کا خرچہ ادا کیا جائے لیکن اس جائیداد کے اوپر کنٹرول ان کا نہ ہو ورنہ وہ اللوں تللوں میں اڑا دیں گے۔ بہرحال یہودی اور منافقین بھی اہل ایمان کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ لوگ دیوانے ہیں' انہیں اپنے نفع اور نقصان کا خیال نہیں' جان مال کی پرواہ نہیں۔ یہ تو جان ہتھیلیوں پر لئے پھر رہے ہیں۔ آخر آدمی کو سوچنا چاہئے' دائیں بائیں دیکھ کر سوچ سمجھ کر اطاعت کرنی چاہئے' آخر جان و مال اور اولاد کے بھی حقوق ہیں۔ یہ لوگ تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز سے آزاد ہیں۔ جب پکارا' جس کام کے لئے کہا' حاضر ہیں۔ ہم اتنے ناسمجھ نہیں ہیں۔ ہم چلنا تو چاہتے ہیں لیکن دیکھ بھال کر' دائیں بائیں دیکھ کر اپنے جان و مال کے تحفظ کے ساتھ۔ یہ بات منافقین کے کردار پر صد فیصد منطبق ہوتی ہے۔ اس کیفیت کا سورۂ حج میں تذکرہ ہے:

''لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کی بندگی کنارے کنارے رہ کر کرنا چاہتے ہیں۔ پھر جب اسے کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو مطمئن ہو جاتا ہے اس پر' اور اگر اسے کسی مصیبت کے ذریعہ آزمایا جائے تو وہ پھر گیا الٹا اپنے منہ پر۔ یہ معاملہ دنیا و آخرت کے لئے خسارے کا باعث ہے' یہی ہے کھلا نقصان''۔ (الحج:۱۱)

یعنی ایسے لوگ منجدھار میں کودنا نہیں چاہتے وہ آخرت بھی چاہتے ہیں لیکن دنیا کا گھاٹا بھی گوارا نہیں ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ دین بھی ملے لیکن دنیا کا بھی نقصان نہ ہو' جنت بھی مل جائے لیکن یہاں کوئی قربانی نہ دینی پڑے۔ اپنے اس طرز عمل کو وہ عقلمندی خیال کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ ''آگاہ ہو جاؤ کہ یہی بے وقوف اور احمق ہیں لیکن یہ اس کا شعور وادراک نہیں رکھتے''۔

فرمان نبوی

چوہدری رحمت اللہ بٹر

امت مسلمہ کے لئے ایک بشارت

عَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((اِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِيَ الْاَرْضَ فَرَاَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَاِنَّ اُمَّتِيْ سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِيْ مِنْهَا وَاُعْطِيْتُ الْكَنْزَيْنِ الْاَحْمَرَ وَالْاَبْيَضَ وَاِنِّيْ سَاَلْتُ رَبِّيْ لِاُمَّتِيْ اَنْ لَّا يُهْلِكَهَا بِسَنَةٍ عَامَّةٍ وَاَنْ لَّا يُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِّنْ سِوٰى اَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيْحَ بَيْضَتَهُمْ وَاِنَّ رَبِّيْ قَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنِّيْ اِذَا قَضَيْتُ قَضَاءً فَاِنَّهٗ لَا يُرَدُّ وَاِنِّيْ اَعْطَيْتُكَ لِاُمَّتِكَ اَنْ لَّا اُهْلِكَهُمْ بِسَنَةٍ عَامَّةٍ وَاَنْ لَّا اُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِّنْ سِوٰى اَنْفُسِهِمْ يَسْتَبِيْحُ بَيْضَتَهُمْ وَلَوِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ مَنْ بِاَقْطَارِهَا اَوْ قَالَ مَنْ بَيْنَ اَقْطَارِهَا حَتّٰى يَكُوْنَ بَعْضُهُمْ يُهْلِكُ بَعْضًا وَيَسْبِيْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا)) (صحیح مسلم' باب الفتن و اشراط الساعۃ)

''حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو لپیٹ دیا تو میں نے اس کے مشارق و مغارب کو دیکھا۔ عنقریب میری حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک میرے لئے زمین لپیٹی گئی۔ مجھے دو خزانے سرخ اور زرد دیئے گئے۔ میں نے اپنے رب سے امت کے بارے میں سوال کیا کہ انہیں عام قحط سالی سے ہلاک نہ کر اور ان پر ان کے غیر سے دشمن کو مسلط نہ کرے جو ان کو مکمل طور پر نیست و نابود کر دے۔ میرے رب نے فرمایا اے محمد (ﷺ) جب میں کوئی فیصلہ کرتا ہوں تو وہ رد نہیں ہوتا۔ میں نے تیری امت کے بارے میں دعا کو قبول کیا کہ انہیں عام قحط سے ہلاک نہیں کروں گا اور نہ ہی ان پر ان کے غیر سے دشمنوں کو مسلط کروں گا کہ جو ان کو تباہ و برباد کر دیں' اگرچہ اطراف عالم سے یا اطراف کے درمیان سے تمام لوگ جمع ہو کر ان پر حملہ آور ہوں یہاں تک کہ بعض' بعض کو ہلاک کریں گے اور ایک دوسرے کو قیدی بنائیں گے یعنی باہم قتال ہوگا''۔

امت مسلمہ کا معاملہ بالکل یہی ہے کہ آج تک ان پر کوئی اس طرح مسلط نہیں ہوا جو ان کو بالکل تباہ و برباد کر دے اور نہ ہی قحط سالی ایسی آئی ہے کہ جو ہلاکت عام کا ذریعہ بنی ہو۔ آپس میں ایک دوسرے سے دشمنی اور قتال البتہ مدت سے جاری ہے اور اس سے فراغت نہیں ملتی کہ مل کر اپنے دشمنوں کے خلاف کوئی اقدام کر سکیں بلکہ اس باہمی نفاق کی وجہ سے ایک اسرائیل ان سب کو کس طرح ذلت اور خواری سے دوچار کئے ہوئے ہے اور اپنی مرضی کی پالیسیاں ان پر مسلط کر رہا ہے اور یہ بیچارے صرف زبانی احتجاج کے ذریعہ اور لوگوں کی موت کا بندوبست کرنے کے علاوہ کچھ بھی نہ کرنے کے قابل ہیں۔ اگر باہم لڑائی ہو تو سب ہتھیار استعمال کر لیتے ہیں۔ باقی' اس حدیث کے ابتدائی الفاظ میں یہ بشارت بھی موجود ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ کرۂ ارض کے چپے چپے پر اللہ کا دین غالب و قائم ہو کر رہے گا۔

خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریک خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

جلد 10 شمارہ 23

28جون تا 4 جولائی 2001ء

(۵تا۱۱ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ)

بانی : اقتدار احمد مرحوم

مدیر: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: فرقان دانش خان

معاونین: مرزا ایوب بیگ ' مرزا ندیم بیگ
نعیم اختر عدنان ' سردار اعوان

نگران طباعت : شیخ رحیم الدین

پبلشر: اسعد احمد مختار ' طابع: رشید احمد چوہدری

مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مقام اشاعت: 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون: 03-5869501 فیکس: 5834000

E-Mail:anjuman@tanzeem.org

Website:www.tanzeem.org

قیمت فی شمارہ : 5روپے

زرتعاون (اندرون پاکستان) :

سالانہ 225روپے' ششماہی 120روپے

سالانہ زرتعاون (بیرون پاکستان)

☆ایران' ترکی' اومان' مسقط' عراق' الجزائر' مصر
700روپے (12امریکی ڈالر)

☆سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر' امارات' بھارت'
بنگلہ دیش' افریقہ' ایشیا' جاپان' یورپ
900روپے (15امریکی ڈالر)

☆امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ
1400روپے (25امریکی ڈالر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

حافظ عاکف سعید

''متحدہ مجلس عمل'' کا قیام......ایک مستحسن قدم!

تازہ ترین اخباری اطلاعات کے مطابق ملک کی چھ بڑی دینی جماعتوں نے ''متحدہ مجلس عمل'' کے نام سے ایک نئے اتحاد کے قیام کا اعلان کر دیا ہے جو ملک میں اسلامی جمہوری نظام کے قیام کے لئے مل جل کر جدوجہد کرے گی۔ اخباری ذرائع کے مطابق یہ فیصلہ مولانا شاہ احمد نورانی کی زیر صدارت ملی یکجہتی کونسل کی رکن چھ جماعتوں کے سربراہی اجلاس میں کیا گیا جس میں قاضی حسین احمد، مولانا فضل الرحمن، مولانا سمیع الحق، پروفیسر ساجد میر اور علامہ ساجد نقوی نے شرکت کی۔ اجلاس کے بعد ایک مشترکہ اعلامیہ میں اسلامی جمہوری نظام کے لئے جدوجہد کا اعلان کیا گیا جبکہ ۷۳ کے آئین کو بحال کرنے اور مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حل کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔

ہمارے نزدیک یہ امر نہایت خوش آئند ہے کہ ملک کی بڑی دینی جماعتوں نے جن میں جمعیت علمائے اسلام کے دونوں دھڑے (یعنی فضل الرحمن گروپ اور سمیع الحق گروپ) کے علاوہ جمعیت علمائے پاکستان اور جماعت اسلامی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اسلامی جمہوری نظام کے قیام کی حامل مشترک جدوجہد کے لئے آمادہ عمل ہوئے ہیں۔ اس اتحاد میں جمعیت اہلحدیث اور تحریک جعفریہ کی شمولیت بھی لائق تحسین ہے۔ بالخصوص قاضی حسین احمد اور جماعت اسلامی کی اس اتحاد میں شمولیت اس پہلو سے باعث مسرت ہے کہ محترم قاضی صاحب ایک عرصے سے سولو فلائٹ کا موقف اپنائے ہوئے تھے اور امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت محترم ڈاکٹر صاحب کے تجویز کردہ ''متحدہ اسلامی انقلابی محاذ'' میں ان کی عدم شمولیت کا فیصلہ بھی ان کے اسی پختہ موقف کا مظہر تھا کہ اتحادوں اور محاذوں کی تشکیل کے سابقہ تجربات چونکہ خوشگوار نہیں رہے لہٰذا انہوں نے آئندہ اس راستے سے گریز کا شعار اپنا لیا ہے۔ لیکن اب متحدہ مجلس عمل میں شمولیت اور نظام اسلام کے قیام کے لئے مشترک جدوجہد پر آمادہ ہو جانا اس امر کا پتہ دیتا ہے کہ قاضی صاحب نے اپنے سابقہ فیصلے سے رجوع کر لیا ہے۔

اگرچہ یہ ابھی تک ایک ڈھیلا ڈھالا اتحاد ہے، جس کے قواعد و ضوابط فی الحال مدون نہیں ہو پائے اور اس کے باوجود کہ اس اتحاد کے سکوپ میں سیاسی اشتراک عمل کو بھی شامل کیا گیا ہے، بہرکیف ہم اس اتحاد کا بھرپور خیر مقدم کرتے ہیں کہ ہماری اصل دلچسپی اسلامی جمہوری نظام کے قیام سے ہے اور ہم دعا گو ہیں کہ یہ اتحاد موجودہ گلے سڑے استحصالی نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر حقیقی اسلامی جمہوری نظام کو قائم و غالب کرنے کی جدوجہد میں نمایاں پیش رفت کر سکے۔ ملک کی بڑی دینی جماعتوں کے لئے یہ صورت حال ایک بڑے چیلنج کا درجہ رکھتی ہے۔ مذکورہ بالا دینی رہنماؤں کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ متحدہ مجلس عمل کے قیام کا محض اعلان ہی ان کی آخری منزل نہیں ہے بلکہ فی الواقع جمہوری نظام کے قیام کے لئے سنجیدہ انداز میں بھرپور متحدہ جدوجہد ان کے پیش نظر ہے اور وہ اس راہ میں جان و مال ہی نہیں، انا کی قربانی دینے کے لئے بھی تیار ہیں۔

اس موقع پر محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی جانب سے جو اخباری بیان جاری کیا گیا ہے وہ ہمارے جذبات کی بہترین ترجمانی اور عکاسی پر مشتمل ہے لہٰذا اسے ذیل میں ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے:

''ملک میں اسلامی نظام کے قیام کے لئے چھ دینی جماعتوں کا اتحاد انتہائی خوش آئند امر ہے۔ میں اس اتحاد کو خوش آمدید کہتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ یہ مستحکم اور پائیدار بنیادوں پر قائم رہے۔ اگر یہ اتحاد اسلام کے عادلانہ نظام کے قیام اور شریعت کے حکیمانہ و منصفانہ احکامات کی تنفیذ میں موثر کردار ادا کر سکے تو ملک و قوم ہی کے لئے نہیں عالمی ملت اسلامیہ کے لئے بھی نہایت خوش بختی کا باعث ہوگا۔ اس لئے کہ پوری دنیا اس وقت یہود کے وضع کردہ سودی سرمایہ داری نظام کے زیر تسلط ہے جو بدترین استحصالی نظام ہے۔ اس کا توڑ صرف اور صرف اسلام کا عادلانہ نظام ہے جو رحمۃ للعالمین ﷺ کے واسطے سے نوع انسانی کو عطا ہوا۔ اس مبارک موقع پر میں ملک کے تمام دینی عناصر سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس اتحاد سے ہر ممکن تعاون کریں تا کہ وطن عزیز پاکستان اپنی حقیقی منزل یعنی نفاذ اسلام کے قریب سے قریب تر ہو سکے۔''

[illegible]

تحریک خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ لاہور

ندائے خلافت

جلد 10 شمارہ 23

28 جون تا 4 جولائی 2001ء

(۵ تا ۱۱ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ)

بانی : اقتدار احمد مرحوم

مدیر: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: فرقان دانش خان

معاونین: مرزا ایوب بیگ ، مرزا ندیم بیگ

نعیم اختر عدنان ، سردار اعوان

نگران طباعت : شیخ رحیم الدین

پبلشر: اسعد احمد مختار ، طابع: رشید احمد چوہدری

مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

مقام اشاعت: 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون: 03-5869501 فیکس: 5834000

E-Mail:anjuman@tanzeem.org

Website:www.tanzeem.org

قیمت فی شمارہ : 5 روپے

زر تعاون (اندرون پاکستان) :

سالانہ 225 روپے، ششماہی 120 روپے

سالانہ زر تعاون (بیرون پاکستان):

☆ ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر

700 روپے (12 امریکی ڈالر)

☆ سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، جاپان، یورپ

900 روپے (15 امریکی ڈالر)

☆ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ

1400 روپے (25 امریکی ڈالر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

حافظ عاکف سعید

''متحدہ مجلس عمل'' کا قیام......ایک مستحسن قدم!

تازہ ترین اخباری اطلاعات کے مطابق ملک کی چھ بڑی دینی جماعتوں نے ''متحدہ مجلس عمل'' کے نام سے ایک نئے اتحاد کے قیام کا اعلان کر دیا ہے جو ملک میں اسلامی جمہوری نظام کے قیام کے لئے مل جل کر جدوجہد کرے گی۔ اخباری ذرائع کے مطابق یہ فیصلہ مولانا شاہ احمد نورانی کی زیر صدارت ملی یکجہتی کونسل کی رکن چھ جماعتوں کے سربراہی اجلاس میں کیا گیا جس میں قاضی حسین احمد، مولانا فضل الرحمٰن، مولانا سمیع الحق، پروفیسر ساجد میر اور علامہ ساجد نقوی نے شرکت کی۔ اجلاس کے بعد ایک مشترکہ اعلامیہ میں اسلامی جمہوری نظام کے لئے جدوجہد کا اعلان کیا گیا جبکہ ۷۳ کے آئین کو بحال کرنے اور مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حل کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔

ہمارے نزدیک یہ امر نہایت خوش آئند ہے کہ ملک کی بڑی دینی جماعتوں نے جن میں جمعیت علمائے اسلام کے دونوں دھڑے (یعنی فضل الرحمٰن گروپ اور سمیع الحق گروپ) کے علاوہ جمعیت علمائے پاکستان اور جماعت اسلامی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اسلامی جمہوری نظام کے قیام کی حامل مشترک جدوجہد کے لئے آمادۂ عمل ہوئے ہیں۔ اس اتحاد میں جمعیت اہلحدیث اور تحریک جعفریہ کی شمولیت بھی لائق تحسین ہے۔ بالخصوص قاضی حسین احمد اور جماعت اسلامی کی اس اتحاد میں شمولیت اس پہلو سے باعث مسرت ہے کہ محترم قاضی صاحب ایک عرصے سے سولو فلائٹ کا موقف اپنائے ہوئے تھے اور امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت محترم ڈاکٹر صاحب کے تجویز کردہ ''متحدہ اسلامی انقلابی محاذ'' میں ان کی عدم شمولیت کا فیصلہ بھی ان کے اسی پختہ موقف کا مظہر تھا کہ اتحادوں اور محاذوں کی تشکیل کے سابقہ تجربات چونکہ خوشگوار نہیں رہے لہٰذا انہوں نے آئندہ اس راستے سے گریز کا شعار اپنا لیا ہے۔ لیکن اب متحدہ مجلس عمل میں شمولیت اور نظام اسلام کے قیام کے لئے مشترک جدوجہد پر آمادہ ہو جانا اس امر کا پتہ دیتا ہے کہ قاضی صاحب نے اپنے سابقہ فیصلے سے رجوع کر لیا ہے۔

اگرچہ یہ ابھی تک ایک ڈھیلا ڈھالا اتحاد ہے جس کے قواعد وضوابط فی الحال مدون نہیں ہو پائے اور اس کے باوجود کہ اس اتحاد کے سکوپ میں سیاسی اشتراک عمل کو بھی شامل کیا گیا ہے، بہرکیف ہم اس اتحاد کا بھرپور خیر مقدم کرتے ہیں کہ ہماری اصل دلچسپی اسلامی جمہوری نظام کے قیام سے ہے اور ہم دعا گو ہیں کہ یہ اتحاد موجودہ گلے سڑے استحصالی نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر حقیقی اسلامی جمہوری نظام کو قائم و غالب کرنے کی جدوجہد میں نمایاں پیش رفت کر سکے۔ ملک کی بڑی دینی جماعتوں کے لئے یہ صورت حال ایک بڑے چیلنج کا درجہ رکھتی ہے۔ مذکورہ بالا دینی رہنماؤں کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ متحدہ مجلس عمل کے قیام کا محض اعلان ہی ان کی آخری منزل نہیں ہے بلکہ فی الواقع جمہوری نظام کے قیام کے لئے سنجیدہ انداز میں بھرپور متحدہ جدوجہد ان کے پیش نظر ہے اور وہ اس راہ میں جان و مال ہی نہیں، انا کی قربانی دینے کے لئے بھی تیار ہیں۔

اس موقع پر محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی جانب سے جو اخباری بیان جاری کیا گیا ہے وہ ہمارے جذبات کی بہترین ترجمانی اور عکاسی پر مشتمل ہے لہٰذا اسے ذیل میں ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے:

''ملک میں اسلامی نظام کے قیام کے لئے چھ دینی جماعتوں کا اتحاد انتہائی خوش آئند امر ہے۔ میں اس اتحاد کو خوش آمدید کہتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ یہ مستحکم اور پائیدار بنیادوں پر قائم رہے۔ اگر یہ اتحاد اسلام کے عادلانہ نظام کے قیام اور شریعت کے حکیمانہ و منصفانہ احکامات کی تنفیذ میں موثر کردار ادا کر سکے تو ملک و قوم ہی کے لئے نہیں عالمی ملت اسلامیہ کے لئے بھی نہایت خوش بختی کا باعث ہوگا۔ اس لئے کہ پوری دنیا اس وقت یہود کے وضع کردہ سودی سرمایہ داری نظام کے زیر تسلط ہے جو بدترین استحصالی نظام ہے۔ اس کا توڑ صرف اور صرف اسلام کا عادلانہ نظام ہے جو رحمۃ للعالمین ﷺ کے واسطے سے نوع انسانی کو عطا ہوا۔ اس مبارک موقع پر میں ملک کے تمام دینی عناصر سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس اتحاد سے ہر ممکن تعاون کریں تاکہ وطن عزیز پاکستان اپنی حقیقی منزل یعنی نفاذ اسلام کے قریب سے قریب تر ہو سکے۔''

کل روئے ارضی پر غلبہ دین کا کام درجہ بدرجہ پایۂ تکمیل کو پہنچے گا

مسجد دارالسلام باغ جناح' لاہور میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے ۲۲ جون کے خطاب جمعہ کی تلخیص

ماہ ربیع الاول کی مناسبت سے گزشتہ دونوں خطبات جمعہ میں سیرت نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام پر گفتگو جاری ہے۔ اس سلسلے کے پہلے جمعہ میں آنخضور ﷺ کی عظمت کے حوالے سے یہ بات سامنے آئی کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات عالی ہمارے تصور سے وَرَاءُ الْوَرٰی ہے' اسی طرح ذاتی وروحانی اعتبار سے حضور ﷺ کا مقام ومرتبہ ہمارے فہم وادراک سے بالاتر ہے۔ لہٰذا کسی انسان کے لئے آپؐ کے مقام ومرتبہ کو بیان کرنا ممکن ہی نہیں۔ اس معاملے میں تو شیخ سعدیؒ کا یہ شعر ہی ہمارے لئے بہترین رہنمائی لئے ہوئے ہے کہ:

لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

البتہ آپؐ کی عظمت کا ایک پہلو ہماری سمجھ میں آ سکتا ہے

> ہمارا کام یہ ہے کہ ہم غلبۂ دین کی جدوجہد کو ایک درجہ آگے بڑھانے میں اپنا حصہ ڈال دیں

یعنی یہ کہ آپؐ کا بحیثیت انسان مختلف شعبہ ہائے زندگی میں اسوہ کیا تھا جو پوری انسانیت کے لئے روشنی کا مینار اور بہترین نمونہ زندگی ہے۔ آپؐ کی عظمت کا دوسرا پہلو جسے دنیا نے تسلیم کیا وہ یہ ہے کہ آپؐ نے دنیا کا عظیم ترین انقلاب برپا کیا۔ ہمارے لئے تیسری اہم بات یہ ہے کہ ہماری نجات کا دارومدار اس پر ہے کہ ہمارا آنخضور ﷺ کے ساتھ تعلق سورۃ الاعراف کی آیت ۱۵۷ کے مطابق ہے یا نہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم آپؐ کے ان حقوق کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی تو نہیں کر رہے جن کا ذکر سورۃ الاعراف کی آیت ۱۵۷ میں ہے۔

دوسرے خطاب جمعہ میں ختم نبوت اور تکمیل نبوت و رسالت کے حوالے سے میں نے عرض کیا تھا کہ اس میں حضور ﷺ کی عظمت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ آپؐ پر نبوت ورسالت کی تکمیل ہوئی جس کے پانچ مظاہر ہیں:

۱) آپؐ پر الہدیٰ یعنی فکری ونظری ہدایت کامل کر دی گئی۔
۲) آپؐ کے ذریعے انسانیت کو کامل نظام زندگی عطا کر دیا گیا۔
۳) آپؐ نے اس نظام زندگی کو بالفعل قائم کر کے دکھایا۔
۴) اس نظام زندگی کو غالب کرنے کی جدوجہد آپؐ نے خالص انسانی سطح پر کی یعنی اس کام میں سابقہ امتوں کی طرح معجزوں کا ظہور نہیں ہوا بلکہ اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے' سو گزری!
۵) تکمیل نبوت کا پانچواں امتیازی مظہر یہ ہے کہ آپؐ پہلے اور آخری رسول ہیں جو تمام انسانیت کے لئے نبی ورسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب آپؐ تمام انسانیت کے لئے بھیجے گئے ہیں اور کل روئے ارضی پر غلبۂ دین آپؐ کا مشن اور مقصد بعثت ہے جسے قیامت سے پہلے مکمل ہونا ہے' جس کی خبر بہت سی صحیح احادیث میں ملتی ہے تو یہ دین کا غلبہ کیسے ہو گا؟ جبکہ یہ کام تمام انبیاء ورسل میں صرف ایک بار اور آپؐ کے ہاتھوں ہوا۔ عقلی ومنطقی اعتبار سے یہ بات ناممکنات میں سے ہے لیکن چونکہ صحیح احادیث میں اس کی خبریں ہیں لہٰذا مجھے کامل یقین ہے کہ قیامت سے پہلے پوری دنیا پر دین حق غالب ہو گا۔ لیکن جس طرح آنخضور ﷺ نے صرف بیس سال کے عرصہ میں انقلاب برپا کر دیا' آئندہ اس کی نظیر ممکن ہی نہیں بلکہ یہ کام مرحلہ وار ہو گا اور کئی نسلوں میں جا کر مکمل ہو گا۔ مختلف زمانوں میں مختلف احیائی تحریکیں اس کام کے لئے اٹھیں گی اور اولمپک کھلاڑی کی طرح یہ مشعل اگلے سے اگلے کھلاڑی کے سپرد کی جاتی رہے گی تا آنکہ منزل آ جائے۔ یعنی یہ کام درجہ بدرجہ ہو گا۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اس کو ایک درجہ آگے بڑھانے میں اپنا حصہ ڈال دیں۔ ہمارے بعد اگلی تحریک یا اگلی نسل اسے سنبھال کر آگے بڑھائے گی۔ بالآخر اس کام کی تکمیل ہو جائے گی۔ تدریجی مراحل سے گزر کر غلبہ دین کے کام کی تکمیل کا اشارہ قرآن مجید کی بعض آیات سے ملتا ہے۔ سورۃ المدثر اور سورۃ الانشقاق کی بعض آیات کا موازنہ اس ضمن میں مفید مطلب ہو گا۔ سورۃ المدثر کی آیات ۳۲ تا ۳۷ میں حضور ﷺ کی رسالت کا ذکر نہایت لطیف انداز میں کیا گیا ہے' فرمایا:

''قسم ہے چاند کی اور قسم ہے رات کی جب وہ پیٹھ موڑ لے اور قسم ہے صبح کی جب وہ روشن ہو جائے' یقیناً بعثت محمدیؐ بہت بڑی باتوں میں سے ایک بات ہے۔ جو لوگوں کے لئے بشارت بھی اور ڈراوا بھی۔ جو کوئی تم میں چاہے کہ پیچھے رہے یا آگے بڑھ جائے۔''

آنخضور ﷺ سے پہلے چھ سو برس ایسے گزرے ہیں کہ آپؐ سے پہلے دنیا میں کہیں کوئی نبی یا رسول نہ تھا۔ گویا یہ نبوت کی رات تھی' یہ دور فترت اولیٰ کہلاتا ہے۔ لیکن دھندلی تعلیمات دھندلی صورت میں موجود تھیں گویا چاند کی روشنی تھی' پھر جیسے سورج کے آنے پر تاریکی ایک دم غائب ہو جاتی ہے اسی طرح آپؐ کی بعثت سے نبوت ورسالت کی تکمیل کا سورج طلوع ہوا۔ آپؐ پورے عالم انسانیت کو خبردار کرنے آئے ہیں۔ آپؐ کے جاں نثار ساتھی آگے بڑھ گئے' باقی کافر اور منافق پیچھے رہ گئے۔ لیکن یہ ہر ایک کا اپنا اختیار ہے کہ آگے رہے یا پیچھے۔

> کسی جماعت یا تحریک کے اصل راستہ چھوڑ کر شارٹ کٹ اختیار کرنے سے منزل قریب آنے کی بجائے دور ہو سکتی ہے

ان آیات میں آنخضور ﷺ کی ۲۰ سالہ جدوجہد کا ذکر ہے کہ آپؐ نے کس طرح ایک جماعت بنا کر غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد فرمائی۔ اپنے ساتھیوں کی تربیت کی اور پھر ان ساتھیوں کے ذریعے خالص انسانی سطح پر جدوجہد کرتے ہوئے جزیرہ نما عرب میں دین غالب کر دیا۔ جبکہ آج یہ کام کیسے ہو گا' اس کا ذکر سورۃ انشقاق میں ہے۔ جہاں فرمایا:

''سو قسم کھاتا ہوں شام کی سرخی کی اور رات کی اور جو اس میں سمٹتا ہے اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے۔ تم درجہ

بدرجہ رتبۂ اعلیٰ پر چڑھو گے' پھر کیا ہوا ان لوگوں کو کہ ایمان نہیں لاتے۔" (آیات ۱۶ تا ۲۰)

اس آیہ مبارکہ میں ہم موجودہ دور کی جھلک دیکھ سکتے ہیں۔ آج واقعتاً اسلام کا سورج غروب ہوگیا ہے صرف اس کی سرخی باقی ہے۔ مسلمان تو آج کروڑوں کی تعداد میں ہیں لیکن اسلام اجنبی بن چکا ہے اور اس کا صرف نام باقی ہے۔ اسی طرح یہاں ذکر ہے چاند کا کہ جب وہ پورا ہو جائے۔ چاند تدریجاً پورا ہوتا ہے' اسی طرح تم بھی درجہ بدرجہ سیڑھی چڑھو گے یعنی آنحضور ﷺ کے بعد غلبہ دین میں تمہاری کئی عمریں لگیں گی۔ ایک انسانی زندگی (لائف سپین) میں یہ کام مکمل نہیں ہوگا۔

دین کے غلبہ کی جدوجہد میں تدریج کے کئی مراحل آئے۔ پہلا عروج آپؐ کی بعثت کے وقت عربوں کے ذریعے اسلام کو حاصل ہوا۔ جب عرب زوال پذیر ہوئے تو دوسرا عروج تاتاریوں یعنی ترک اقوام کے ذریعے اسلام کو نصیب ہوا۔ پھر یہ بھی زوال سے دوچار ہوا' لیکن خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد ۱۹۲۵ء سے تدریجاً ایک احیائی عمل (عروج کا عمل) شرو ع د چکا ہے۔ لیکن یہ کام درجہ بدرجہ ہی آگے بڑ ھے گا۔ جب میں نے ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی کا ڈول ڈ یہ بات مجھ پر پوری طرح واضح تھی اور میں نے اس وقت بھی اسلام کے اس احیائی عمل کی تدریج کے بارے میں اپنی کتاب "تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر" میں ذکر کیا تھا:

"اس احیائی عمل کے بارے میں بعض بنیادی حقائق ذہن نشین رہنے چاہئیں۔ مثلاً ایک یہ کہ یہ کوئی سادہ اور بسیط عمل نہیں ہے بلکہ اس کے متعدد گوشے ہیں' جن میں سے ہر ایک میں اولوالعزم افراد اور جماعتیں برسر پیکار ہیں اور جو بظاہر ایک دوسرے سے جدا اور مختلف بلکہ بعض پہلوؤں کے اعتبار سے متضاد ہونے کے باوجود اس وسیع تر احیائی عمل کے اعتبار سے ایک دوسرے کے لئے باعث تقویت ہیں۔ دوسرے یہ کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور ملت اسلامی کی تجدید کا یہ کام دس بیس برس میں مکمل ہونے والا نہیں بلکہ سورۃ الانشقاق کی آیت ﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقاً عَنْ طَبَقٍ﴾ یعنی "تم لازماً بڑھو گے درجہ بدرجہ" کے مصداق تدریجاً بہت سے مراتب و مراحل سے گزر کر ہی پایۂ تکمیل کو پہنچے گا لہٰذا اس ارتقائی عمل کا ہر درجہ اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے اور چاہے بعد کے مراحل میں پہلوں کا کام بہت حقیر بلکہ کسی قدر غلط بھی نظر آئے لیکن اپنے اپنے دور کے اعتبار سے اس کی اہمیت اور وقعت سے بالکلیہ انکار ممکن نہیں۔ تیسرے یہ کہ اس ہمہ گیر تجدیدی جدوجہد میں اگرچہ افراد کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے تاہم جماعتوں اور تنظیموں کے مقابلے میں کم تر ہے۔ پھر جماعتیں بھی تحریکوں کی وسعت میں گم ہو جاتی ہیں اور بالآخر تمام تحریکیں بھی اس وسیع احیائی عمل کی پنہائیوں میں گم ہو جاتی ہیں۔"

دین کے ہمہ گیر عالمی غلبہ کے حوالے سے ایک بات تو مجھ پر یہ واضح تھی کہ یہ عمل تدریجاً پایۂ تکمیل کو پہنچے گا' دوسرے بہت سے شواہد کے باعث نظر یہ آتا ہے کہ اس کام کے آغاز کا موقع اللہ نے اس سرزمین یعنی پاکستان کو عطا کیا ہے۔ پاکستان جو پہلے ہندوستان کا حصہ تھا' وہ خطہ ہے جہاں گیارہویں صدی کے مجدد شیخ احمد سرہندیؒ' بارہویں صدی کے مجدد شاہ ولی اللہ دہلویؒ' تیرہویں صدی کے مجدد سید احمد شہید بریلویؒ اور چودھویں صدی کے مجدد شیخ الہند حضرت محمود حسنؒ پیدا ہوئے۔ علاوہ ازیں چودہویں صدی میں اس خطے میں بڑی بڑی عظیم شخصیات پیدا ہوئیں۔ اقبال وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے واضح کیا کہ اسلام دین ہے اور دین اپنا غلبہ چاہتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اس کام کے لئے حزب اللہ نامی جماعت بنائی جسے بعد ازاں علماء کے رویئے سے بددل ہو کر مولانا آزاد نے ختم کر دیا اور وہ خود کانگریس میں شامل ہو گئے۔ ابوالکلام کے اس ادھورے چھوڑے ہوئے کام کو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے جماعت اسلامی کے ذریعے آگے بڑھایا لیکن پاکستان بننے کے بعد الیکشن کی بھول بھلیوں میں پھنس کر جماعت اس مشن سے دور ہو گئی۔ ان کے بعد یہ کام تنظیم اسلامی کی صورت میں ہم نے اٹھایا ہے' اور میں ہرگز اس غلط فہمی کا شکار نہیں ہوں کہ یہ کام میری زندگی ہی میں مکمل ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی مرحلے پر میں مایوسی کا شکار نہیں ہوں' فیض کے بقول میں ذہناً اس صورتحال کے لئے تیار ہوں کہ ؎

یہ فصل امیدوں کی ہمدم اس بار بھی غارت جائے گی
سب محنت صبحوں شاموں کی اب کے بھی اکارت جائے گی
دھرتی کے کونوں کھدروں میں پھر اپنے لہو کی کھاد بھرو
پھر مٹی سینچو اشکوں سے پھر اگلی رُت کی فکر کرو
پھر اگلی رُت کی فکر کرو جب پھر اک بار اجڑنا ہے
اک فصل پکی تو بھر پایا تب تک تو یہی کچھ کرنا ہے

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی تحریکوں' جماعتوں میں اس کے برعکس ہوا ہے۔ کیونکہ کوئی داعی جب اس کام کو لے کر چلتا ہے اور جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کی محنت اکارت جا رہی ہے اور بظاہر نتیجہ خیز نہیں ہو رہی تو بعض اوقات اس پر بددلی طاری ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ اصل راستہ چھوڑ کر کوئی اور طریقہ یا شارٹ کٹ اختیار کرتا ہے جس کے باعث منزل قریب ہونے کی بجائے مزید دور ہو جاتی ہے۔ بعض افراد بددل ہو کر اس کام کو ہی چھوڑ جاتے ہیں۔ لیکن اگر پہلے سے ذہن میں یہ واضح ہو کہ یہ کام درجہ بدرجہ ہونا ہے تو پھر اس کا امکان ہے کہ آدمی اصل راہ اور منہج نبویؐ کو چھوڑ کر دوسرے راستوں کو اختیار کرنے کی کوشش نہ کرے کہ یہ کام ہر حال میں میرے ہاتھوں ہی سے پایۂ تکمیل کو پہنچنا چاہئے۔ بس ہمارا کام تو یہ ہے تن من دھن اس کام میں کھپا دیں کہ اللہ کے ہاں سرخروئی تو بس اسی بات سے مشروط ہے ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش
تا دم آخر دمے فارغ مباش

ہم اگر آخری دم تک اس کام میں لگے رہیں تو اسی میں ہماری حقیقی کامیابی ہے۔ جب اللہ کی مرضی ہوگی یہ کام ہو جائے گا۔ میری دانست میں یہ کام پانچویں چھٹی نسل (جنریشن) میں مکمل ہوگا جب پندرہویں صدی کے مجدد حضرت مہدی تشریف لائیں گے۔ ہم تو صرف ان کے لئے راستہ صاف کر رہے ہیں۔ بس ہم اسی کے مکلف ہیں اور اس پر استقامت کے لئے اللہ سے دعاگو ہیں ○○○

حالات حاضرہ

پرویز مشرف کے صدر بننے سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ ہم اہل پاکستان سیاسی اعتبار سے تاحال ایک نابالغ قوم ہیں' کیونکہ جس بے ڈھنگے انداز میں عہدۂ صدارت پر قبضہ کیا گیا ہے دنیا کے کسی ملک میں بھی اس کی مثال نہیں ملتی۔ پاکستان کی تاریخ میں اب تک واحد مثال نواز شریف کی تھی جنہیں تمام اختیارات اپنی ذات میں جمع کرنے کا "ہوکا" تھا لیکن پرویز مشرف اپنے سر پر چار ٹوپیاں سجا کر سب پر بازی لے گئے ہیں۔ اب تو صرف دعا ہی کی جا سکتی ہے کہ پرویز مشرف کے اس اقدام سے اللہ کوئی خیر برآمد کر دے اور ملک و ملت کو اس کا خمیازہ نہ بھگتنا پڑے۔

جنرل پرویز مشرف سر پر چار ٹوپیاں سجا کر سابقہ تمام حکمرانوں پر بازی لے گئے ہیں

گورنمنٹ کالج کے نصاب میں لادینی نظریات کی آمیزش پر کچھ عرصہ پہلے میں نے اپنے خطاب جمعہ میں احتجاج کیا تھا۔ اس کے بعد کالج ہذا کے وہ اساتذہ میرے پاس آئے جنہیں ان معاملات کا ذمہ دار قرار دیا جا رہا ہے۔ انہوں نے ان الزامات کی تحریری تردید مجھے دی ہے۔ لہٰذا اب میں اس معاملے میں اعلان براءت کرتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ کسی عوامی ہنگامہ آرائی سے پہلے ہی ان معاملات کی مناسب تحقیقات کا انتظام کرے اور کالج کے نصاب کو خرافات اور ان معاملات کے ذمہ دار عناصر سے پاک کرنے کا بندوبست کرے۔

●●●●●●●●●

بالآخر جنرل پرویز مشرف صدر بن گئے

تجزیہ نگار کے نقطۂ نظر سے ادارہ کا کامل اتفاق ضروری نہیں

ابو الحسن

یہ فیصلہ کرنا کہ پاکستان کے سیاسی عدم استحکام کا اصل ذمہ دار کون ہے' کوئی آسان اور سادہ کام نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہمارا قومی رویہ اور طرزِ عمل یہ ہے کہ ہم ہر اس کام کی ذمہ داری دوسروں پر ڈال دیتے ہیں جو اچھے نتائج پیدا نہ کرے۔ اگرچہ سیاست کے میدان کے کھلاڑی ہونے کی وجہ سے سیاسی عدم استحکام کی اولین ذمہ داری سیاست دانوں ہی کی ٹھہرے گی لیکن سیاست دان کہتے ہیں کہ فوج نے کبھی جمہوریت کو آزادی سے چلنے ہی نہیں دیا۔ وہ موقع پرستوں اور شکست خوردہ عناصر کے ذریعے پہلے جمہوری نظام کی چولیں ڈھیلی کر دیتی ہے پھر ملکی بقا اور سالمیت کے خطرے کا جھوٹا بہانہ بنا کر بزورِ شمشیر اقتدار چھین لیتی ہے۔ لوگ یہاں تک کہتے ہیں کہ ہماری فوج دشمن کا تو آج تک کچھ بگاڑ نہیں سکی البتہ متعدد بار اپنے ہی ملک کو فتح کر چکی ہے۔ اور یہ سب کچھ اقتدار کی ہوس اور لالچ میں ہوتا ہے۔ وہ آئین جیسی مقدس شے کو پاؤں تلے روند ڈالتی ہے اور پھر سیاسی سطح پر نت نئے تجربے کرتی ہے جس سے ملک سیاسی عدم استحکام سے دوچار ہو جاتا ہے۔

فوج کا موقف یہ ہے کہ سیاست دان اقتدار کی ہوس میں اندھے ہو کر ایسی گھٹیا اور ملک دشمن حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں کہ فوج کو مجبوراً دخل دینا پڑتا ہے۔ وہ سیاسی رقابت کو ذاتی دشمنی میں بدل دیتے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی میں ملکی مفادات کو بھی تج دیتے ہیں۔ وہ غیر ملکی سفارت خانوں کا رخ کرتے ہیں اور اقتدار کے حصول کیلئے سپر پاورز کے ساتھ ایسے عہد و پیمان کر لیتے ہیں جس سے ملکی سالمیت خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ فوج اگرچہ آئین کا تقدس قائم رکھنا چاہتی ہے لیکن ملکی سالمیت کی قیمت پر نہیں۔ فوج کی اصل ذمہ داری اگرچہ ملک کی جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت ہے لیکن اسے بہرحال اندرونی اور بیرونی دونوں دشمنوں سے نمٹنا ہے۔ لہٰذا جب فوج دیانت داری سے محسوس کرتی ہے کہ ملکی یکجہتی اور سالمیت خطرے میں ہے تو اسے چار و ناچار یہ فریضہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ملک کو سیاسی طور پر غیر مستحکم کرنے میں بیوروکریٹس کا ہاتھ بھی ہے۔ وہ اپنا رول پس پردہ رہ کر اور غیر محسوس انداز میں ادا کرتے رہتے ہیں۔ وہ ہر نئے حاکم کو اس انداز سے گھیرا ڈال لیتے ہیں اور خوشامد کا ہتھیار اتنی خوبصورتی سے استعمال کرتے ہیں کہ وہ ان ہی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ اسے عوام سے کاٹ دیتے ہیں اور اپنی چرب زبانی سے اسے یقین دلا دیتے ہیں کہ اس کا وجود ملک کے لئے ناگزیر ہے اور ملکی سالمیت کا مکمل انحصار اب اس کی ذات پر ہے۔ قانون کی پیچیدگیاں اور اداروں کا وجود ملک کو انتہائی تیز رفتاری سے ترقی دینے کے شارٹ کٹ راستے میں رکاوٹ ہے۔ اپوزیشن ملک دشمن ہے۔ اگر کبھی اقتدار اپوزیشن کو مل گیا تو وہ ملک کو تباہ و برباد کر دے گی۔ ملک کو مضبوط اور ترقی یافتہ بنانے کا صرف اور صرف یہ طریقہ ہے کہ آپ کی حکومت مضبوط ہو اور زیادہ سے زیادہ اختیارات کی حامل ہو۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ حاکم وقت بیوروکریسی کا محتاج ہو جاتا ہے اور وہ اپنے گرد بندھا ہوا یہ حصار توڑنا بھی چاہے تو نہیں توڑ سکتا۔ بیوروکریسی اس کے کندھے استعمال کر کے اقتدار کے مزے بھی لوٹتی ہے اور اپنے لئے زیادہ سے زیادہ مراعات بھی حاصل کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زبردست تنقید کے باوجود کوئی حاکم بیوروکریٹس کی مراعات میں معمولی سی کمی بھی نہیں کر سکا۔ ایک اندازے کے مطابق پاکستان میں سرکاری ملازمین کی تنخواہوں سے کئی گنا بڑی رقم گریڈ ۲۰'۲۱'۲۲ کو مراعات بہم پہنچانے پر خرچ ہو جاتی ہے۔ بعض بیوروکریٹس تو اس قدر طاقت ور ہو گئے کہ موقع ملنے پر انہوں نے خود براہ راست اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ ان میں سکندر مرزا' غلام محمد اور غلام اسحاق خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

پاکستان میں عدلیہ بھی سیاسی عدم استحکام کا باعث بنی۔ اعلیٰ عدالتوں کے اکثر ججوں نے سیاسی مقدمات کا فیصلہ کرتے وقت عزیمت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ ان نے طاقتور اور زور آور کے حق میں فیصلہ دیا۔ اسی لئے اعجاز الحق کو یہ کہنے کی جرأت ہوئی تھی کہ اگر میرا باپ زندہ ہوتا تو میں دیکھتا کہ ہائی کورٹ جونیجو حکومت توڑنے کے فیصلے کو کیسے بدنیتی پر مبنی قرار دیتی۔ عدالتوں نے کبھی ملکی مفاد کا سہارا لیا' کبھی نظریہ ضرورت کا اور کبھی عوام کا موڈ دیکھ کر فیصلہ سنایا۔ اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ عدالتوں کے پاس کون سی طاقت ہے کہ وہ فوجی طالع آزماؤں کو زبردستی واپس بیرکوں میں بھیج دیتی۔ عدالتوں کا فرض تھا کہ وہ حق پر مبنی فیصلہ صادر کر دیتیں۔ اگر قوتِ نافذہ اس پر عمل درآمد کرنے سے انکار کر دیتی تب کہا جا سکتا تھا کہ جج نے تو اپنا بنیادی فرض ادا کر دیا اصل قصور ان لوگوں کا ہے جنہوں نے جج کی صدا کو قوت سے دبا دیا ہے۔ اگر ایک بھی جج پی سی او کے تحت حلف نہ اٹھاتا تو وقت کی حکومت کے لئے قائم رہ جانا بہت مشکل ہوتا۔ لیکن یہاں کچھ لوگ ہر قیمت پر کرسی سے چمٹا رہنا چاہتے ہیں جبکہ کچھ کرسی حاصل کرنے کے لئے سب کچھ قربان کرنے کو ہمہ وقت تیار ہوتے ہیں لہٰذا پی سی او سے جو نشستیں خالی ہوتی ہیں وہ فوری طور پر پُر ہو جاتی ہیں۔

سیاسی عدم استحکام میں عوام کا حصہ بھی ہے۔ عوام اگر طے کر لیں کہ وہ کسی کو اپنے جمہوری حقوق غصب نہیں کرنے دیں گے تو کسی طالع آزما کے لئے کرسی اقتدار کو یوں جھپٹ لینا قطعی طور پر ممکن نہ ہو۔ عوام ووٹ ڈالتے وقت اصول' نظریہ' میرٹ یہاں تک کہ منشور کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ گاؤں میں ووٹ وڈیرے کا حق ہے یا ذات برادری کی نظر ہو جاتا ہے جبکہ شہروں میں ذات برادری کے علاوہ ذاتی مفادات کے حصول کے لئے ووٹ دیئے جاتے ہیں' عوام کی شخصیت پرستی نے بھی حاکموں کو فرعون بنایا ہے اور یہ بھی سیاسی عدم استحکام کا باعث بنا ہے۔ بھٹو ہمارا لیڈر ہے چاہے تھوڑی سی بیچے اور چاہے نیشنلائزیشن سے معیشت تباہ کر دے۔ نواز شریف ہمارا لیڈر ہے چاہے نجکاری میں ریوڑیاں بانٹنے والے اندھے کو مات دے دے اور چاہے غیر ملکی زرمبادلہ کے اکاؤنٹ منجمد کر کے غیر ملکی سرمایہ کاری کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کر دے۔ نواز شریف ہمارا لیڈر ہے چاہے ہمیں چھوڑ کر بھاگ جائے وغیرہ وغیرہ۔ یعنی عوام کے سیاسی شعور کی ناپختگی بھی پاکستان میں سیاسی عدم استحکام کا باعث بنی۔ ہم سیاسی استحکام کیوں حاصل نہ کر سکے؟ ہم سیاسی سطح پر دنیا سے ایک صدی پیچھے کیوں رہ گئے؟ ہمارے سیاست دانوں کے کرتوت کیا تھے؟ ہماری فوج حصول اقتدار کے لئے باقاعدہ منصوبہ بندی کرتی رہی یا نہیں؟ بیوروکریسی قوم سے کیا ہاتھ کرتی رہی؟ عدلیہ طاقت کے سامنے کیسے جھکتی رہی؟ عوام اپنا رول ادا کرنے میں کیوں ناکام رہے؟ یہ سب کچھ جاننے کے لئے پاکستان کے سیاسی ہنگاموں کا ازسرنو جائزہ لینا ہوگا۔ اگر اللہ کو منظور ہوا تو یہ جائزہ "ندائے خلافت" کے قارئین کی خدمت میں آئندہ ضرور پیش کیا جائے گا۔

خلافت علیٰ منہاج النبوۃ
کا دور پھر آیا چاہتا ہے؟

ڈاکٹر اسرار احمد

خلافت علیٰ منہاج النبوۃ

نبی اکرم ﷺ نے ایک حدیث مبارک میں اپنے زمانے سے لے کر قیامت تک پانچ ادوار کا ذکر کیا ہے۔ ہماری پوری تاریخ اس حدیث میں سمٹ کر آ گئی ہے۔ مسند احمد بن حنبلؒ کی روایت ہے جسے حضرت نعمانؓ بن بشیر نے روایت کیا ہے: **تکون النبوۃ فیکم ما شاء اللہ ان تکون' ثم یرفعھا اللہ اذا شاء ان یرفعھا** ''(مسلمانو!) تمہارے اندر نبوت رہے گی جب تک اللہ چاہے گا پھر جب اللہ چاہے گا اس نبوت کو اٹھائے گا''۔ پھر آپ نے دوسرے دور کا ذکر کیا ہے۔ **ثم تکون خلافۃ علی منھاج النبوۃ** (پھر خلافت ہوگی منہاج نبوت پر)

خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے الفاظ بہت قابل غور ہیں۔ اس دور کے لئے ہمارے ہاں معروف اصطلاح ''خلافت راشدہ'' ہے۔ تاہم یہ اصطلاح حدیث میں اس طرح نہیں آئی۔ ہاں ''خلفاء راشدین'' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں' جیسا کہ مشہور حدیث ہے: **علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین** (میری سنت کا اتباع کرنا اور میرے خلفاء راشدین المہدیین کی سنت کا اتباع کرنا تم پر لازم ہے) لیکن حضرت نعمانؓ بن بشیر کی زیر مطالعہ روایت میں خلافت کی جو صفت آئی ہے وہ اتنی مشہور نہیں ہے۔ اللہ نے یہ توفیق ہم کو دی کہ ہم اپنی تقاریر اور مطبوعات کے ذریعے اس صفت کو عام کر رہے ہیں۔ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے معنی ہوں گے کہ ''بعینہٖ نبوت کے نقش قدم پر خلافت''۔ یہ ''بعینہٖ'' کا لفظ خصوصی اہمیت کا حامل ہے' کیونکہ خلافت راشدہ میں وہ نظام جو محمد عربی ﷺ نے بنفس نفیس قائم کیا تھا وہ بعینہٖ' بتمامہٖ اور بکمالہٖ جوں کا توں قائم رہا۔

دور صدیقیؓ کی مثال

اس سلسلہ میں صرف ایک مثال دینا کافی سمجھتا ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد مبارک کے آغاز ہی میں مانعین زکوٰۃ کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا اور حضرت عمرؓ جیسے عظیم شخص نے بھی مصلحت اندیشی کا مشورہ دیا کیونکہ دو محاذ پہلے ہی کھلے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ایک محاذ پر رومیوں سے جنگ کے لئے جیش اسامہؓ کو یہ کہہ کر روانہ کر دیا تھا کہ اس لشکر کے بھیجنے کا فیصلہ خود نبی ﷺ نے کیا تھا' اس کا علم خود دست مبارک سے باندھا' میں اسے کیسے کھول سکتا ہوں۔ دوسرا محاذ جھوٹے مدعیان نبوت کے خلاف کھل چکا تھا' ان کے کفر میں کسی شک کی گنجائش نہ تھی' چنانچہ ان سے تو لڑنا ہی تھا۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے حضرت عمرؓ نے کہا ''اب تیسرا محاذ نہ کھولئے''۔ اس بات پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ردعمل بڑا ہی سخت تھا۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو بھی ڈانٹ پلادی۔ یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی کا مقام ہے کہ حضرت عمرؓ جیسی ہستی کو وہ ڈانٹ سکتے تھے۔ صحابہؓ میں کسی اور کا یہ مقام نہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: اے عمرؓ! تم جاہلیت میں تو بڑے سخت تھے' اسلام میں آ کر بزدل بن گئے؟ (**اجبار فی الجھالیۃ وخوار فی الاسلام؟**) اور دوسری بات جو آپ نے فرمائی دراصل اسی کو بیان کرنے کے لئے یہ سارا واقعہ میں نے نقل کیا ہے۔ فرمایا: **اینقص الدین وانا حی؟** اور دوسری بات جو آپ نے فرمائی دراصل اسی کو بیان کرنے کے لئے یہ سارا واقعہ میں نے نقل کیا ہے۔ فرمایا: **اینقص الدین وانا حی ؟** (کیا میرے جیتے جی دین میں کمی کی جائے گی) آپ نے مزید فرمایا ''خدا کی قسم! اگر حضور ﷺ کے زمانے میں زکوٰۃ کے اونٹوں کے ساتھ یہ ان کو باندھنے کی رسیاں دیتے تھے مگر اب رسی دینے سے انکار کریں گے تو بھی میں ان سے جنگ کروں گا''!

کمیونزم اب تو قصہ پارینہ بن چکا ہے' لیکن اس کے زوال کا آغاز نظریات میں ترمیم سے ہوا تھا۔ کہنے والے کہتے تھے کہ کمیونزم عالمی نظریہ کے بجائے روسی قوم پرستی (Russian Nationalism) کا لبادہ اوڑھ چکا ہے' چنانچہ تحریف کی ایک خشت کج نے پوری عمارت کو زمین بوس کر دیا۔

دور حاضر کی اس مثال کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے موقف پر غور کریں۔ آپ نے اظہار مافی الضمیر میں فصاحت و بلاغت کی بھی حد کر دی۔ کہاں اونٹ اور کہاں اس کی رسی' لیکن جناب صدیق اکبر کو اتنی مداہنت یا ترمیم بھی گوارہ نہ تھی۔ آپ کے جذبات کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے اعلان کر دیا تھا ''خدا کی قسم اور کوئی میرے ساتھ جائے یا نہ جائے میں تن تنہا جاؤں گا اور ان سے جنگ کروں گا۔ آخر امت نے آپ کو ''**افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق**'' (بلاشبہ انبیاء کے بعد تمام انسانوں سے افضل) کا اعلیٰ مقام یونہی تو نہیں دے دیا تھا۔ آپ جیسا رقیق القلب انسان اس نازک موقع پر عزیمت واستقلال کا کوہ ہمالہ نظر آتا ہے۔

بہرحال اس ساری بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے معنی حقیقتاً ہیں کیا اور اس سے فی الواقع مراد کیا ہے۔ اسی خلافت کو عرف عام میں خلافت راشدہ کہا جاتا ہے۔

حضورؐ نے اپنی حدیث مبارک میں مزید فرمایا کہ یہ نظام بھی اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہے گا۔ اس کے بعد یہ بھی ختم ہو جائے گا۔ آگے بڑھنے سے پہلے اس نکتے پر بھی غور کر لیں کہ کیا خود حضور ﷺ کا دور بھی دور خلافت تھا؟ یقیناً آپ کا دور بھی خلافت ہی ہے۔ ہر نبی اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوتا ہے۔ قرآن حکیم خود کہتا ہے: ﴿**یا داؤد انا جعلنک خلیفۃ فی الارض**﴾ ''اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا''۔ بلکہ آپ ﷺ کا دور خلافت اب ایک ''ماڈل'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿**لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ**﴾ (الاحزاب:۲۱) (تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے) چنانچہ اب قیامت تک جو بھی نظام ہوں گے انہیں اسی کے حوالے سے پرکھا جائے گا۔

اس کے بعد نبی ﷺ نے تیسرے دور کا ذکر اس طرح فرمایا ہے: ''**ثم یکون ملکا عاضا فتکون ما شاء اللہ ان تکون' ثم یرفعھا اللہ اذا شاء ان یرفعھا**'' یعنی ''پھر ایک دور ملوکیت آئے گا اور یہ کاٹ کھانے والی ملوکیت ہوگی۔ یہ دور بھی اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر اللہ جب چاہے گا' اسے بھی اٹھا لے گا''۔

ظالم ملوکیت کا دور

خلافت راشدہ یا خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے بعد جس نظام کو عرف عام میں خلافت کہا جاتا ہے' حدیث نبوی میں اسے ملوکیت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ تاہم اس دور کو ہم اس معنی میں خلافت کہہ سکتے ہیں کہ وہاں کم از کم نظری طور پر کتاب وسنت کی مکمل بالادستی تسلیم کی جاتی تھی۔ اس قسم کی بالادستی خلافت بنو امیہ میں بھی تھی اور خلافت بنو عباس میں بھی اور خلافت عثمانیہ میں بھی یہ بالادستی قائم رہی۔ ہاں اقتدار کی منتقلی اور دولت کی تقسیم کا نظام عملاً بدل گیا اور دور بنو امیہ کے ۹۰ برس دراصل عبوری مدت ہے۔ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ سے ملوکیت تک بات ایک دن میں نہیں پہنچی تھی۔ چنانچہ اصل ملوکیت تو بنو عباس کے دور میں شروع ہوئی۔

بنوامیہ کے مظالم

بہر حال بنوامیہ کی حکومت بھی یقیناً ظالم تھی۔ حضرت حسین بن علیؓ کے ساتھ میدان کربلا میں جو کچھ ہوا اس سے تو بچہ بچہ واقف ہے' کیونکہ اس کا تذکرہ تو اہتمام کے ساتھ بڑے پیمانہ پر ہوتا ہے' لیکن اسی جیسا سلوک حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ حرم مکہ میں ہوا' ان کو بے دردی سے ذبح کیا گیا اور لاش کو تین دن تک بے گور و کفن سولی کے ساتھ تختہ پر لٹکا رکھا گیا۔ حرم مکی کی حرمت کو بٹہ لگایا گیا۔

اسی دور میں واقعہ حرہ بھی پیش آیا۔ اس واقعہ میں تین دن تک مدینہ منورہ میں لوٹ مار کی گئی۔ خواتین کی بے حرمتی کی گئی اور حجاج بن یوسف کے ہاتھوں سینکڑوں تابعین شہید کئے گئے' مگر میرے نزدیک اس سے بڑا ظلم یہ تھا کہ محمد بن قاسم کو سندھ سے واپس بلا کر شہید کر دیا گیا۔ وہ نوجوان تھا لیکن اس قدر پارسا تھا کہ ہندوؤں نے اپنے معیار و عقیدہ کے مطابق اسے اوتار قرار دے دیا اور اس کی مورتیاں بنا کر پوجا شروع کر دی۔ ایسے متقی اور عادل حکمران کو اگر موقع مل جاتا تو پورا ہندوستان فتح ہو جاتا' لیکن اس سے ملوکیت کو بڑا خطرہ لاحق ہو جاتا۔ ملوکیت میں تو سوچنے کا انداز یہی ہوتا ہے کہ کسی شخص کا ہر دلعزیز ہونا تخت شاہی کے لئے خطرہ ہے۔ محمد بن قاسم کا بھی یہی جرم تھا کہ وہ کشمکش اقتدار میں برسر اقتدار آنے والے بادشاہ کے مخالف گروپ میں شمار ہوتا تھا۔ جو کچھ محمد بن قاسم کے ساتھ ہوا بعینہ موسیٰ بن نصیر کے ساتھ ہوا۔ انہوں نے شمالی افریقہ کا اکثر و بیشتر حصہ فتح کیا تھا۔ طارق بن زیاد' موسیٰ بن نصیر کے ادنیٰ کمانڈر تھے۔ موسیٰ بن نصیر کو بھی ذلیل کیا گیا' دھوپ میں کھڑا کیا گیا' بہت بوڑھے تھے' بے ہوش ہو کر گر گئے۔ دونوں کو بادشاہت کے لئے خطرہ سمجھا گیا۔

بنوعباس کا تعیش

یہ تو حالت بنی امیہ کے دور کی ہے۔ اس کے بعد بنوعباس کے دور میں جو کچھ ہوا وہ بھی تاریخ کا حصہ ہے۔ جو ٹھاٹ اس دور میں جمے' رقص و سرود کی جو محفلیں سجائی گئیں وہ سب کو معلوم ہیں۔ کوہ قاف کا سارا نسوانی حسن بغداد کے محلوں میں کھنچا چلا آ رہا تھا۔ یہ ہے تیسرا دور جسے نبی ﷺ نے "کاٹ کھانے والی ملوکیت" سے تعبیر کیا ہے۔

جبر پر مبنی ملوکیت

چوتھے دور کے بارے میں آپ نے فرمایا: **"ثم تکون ملکا جبریا' ثم یرفعها الله اذا شاء ان یرفعها"** یعنی "پھر ایک اور ملوکیت آئے گی۔ وہ مجبوری والی ملوکیت ہو گی۔ پھر اس کو بھی اللہ جب چاہے گا اٹھا لے گا۔"

ان دو قسم کی ملوکیتوں میں کیا فرق ہے؟ اس سوال کے جواب کے سلسلہ میں ہمارے پاس نہ اس امر کی کوئی شہادت موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ سے اس کے بارے میں کوئی سوال کیا گیا ہو نہ یہ معلوم ہو سکا کہ اس زمانے میں ان دونوں ملوکیتوں کے درمیان کیا فرق سمجھا گیا' مگر آج کے حالات میں ہمارے سامنے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ان سے مراد کیا ہے۔ پہلا دور ملوکیت وہ تھا جب ملوک مسلمان تو تھے لیکن اس کے بعد جو ملوکیت ہم پر مسلط ہوئی وہ غیر مسلموں کی تھی۔ یہ مغربی استعماریت کا دور ہے۔ ہم برطانیہ کے غلام' فرانس کے غلام' اٹلی کے غلام اور ولندیزیوں کے غلام ہوتے چلے گئے۔ یہ چوتھا دور ہے جس کی اس حدیث مبارکہ میں خبر دی گئی ہے۔

بالواسطہ غلامی کا دور

یہ دور ابھی ختم نہیں ہوا۔ براہ راست غلامی تو ختم ہو گئی لیکن بالواسطہ یعنی **Indirect Rule** یا **Rule By Proxy** ابھی برقرار ہے۔ پوری امت مسلمہ ہنوز ان کے شکنجے میں ہے۔ ہماری معیشت اور وسائل ان کے قبضے میں ہیں۔ ہمارے دماغ ان کے قابو میں ہیں۔ ذہنی' فکری اور تہذیبی اعتبار سے ہم ان کے غلام ہیں۔ علم اور ٹیکنالوجی میں ہم ان کے بھکاری ہیں۔ دراصل یہ چوتھا دور جزوی طور پر ختم ہوا ہے لیکن معنوی اعتبار سے اس کا تسلسل اب بھی جاری ہے۔ اور اس غلامی کا جو حصہ باقی ہے وہ پہلے سے زیادہ تلخ اور اس کے شدائد اور مصائب پہلے سے کہیں بڑھ کر ہوں گے۔

دور سعادت کی نوید جاں فزا

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا' حدیث مبارکہ کے مطابق بہر حال اس دور کو بھی ختم ہونا ہے اور اس کے بعد آپ نے آخری دور کا تذکرہ فرمایا ہے: **"ثم تکون خلافة علیٰ منهاج النبوة"** (پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور آئے گا) یہ ہے وہ نوید جاں فزا' وہ خوش خبری جو موجودہ مایوس کن حالات کے لئے نبی اکرم ﷺ نے سنائی ہے۔

اس حدیث مبارکہ کے راوی حضرت نعمانؓ بن بشیر فرماتے ہیں کہ **"ثم سکت رسول الله صلی الله علیہ وسلم"** یعنی "اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ خاموش ہو گئے"۔ اسی حدیث مبارکہ کو مولانا مودودی مرحوم نے قدرے تفصیل سے اپنی کتاب "تجدید و احیائے دین" میں نقل کیا ہے۔ اس روایت میں اضافی مضمون یہ ہے کہ:

"جب خلافت علیٰ منہاج النبوت کا نظام قائم ہو جائے گا تو لوگوں میں معاملہ سنت رسول محمد ﷺ کے مطابق ہو گا اور اسلام اپنے جھنڈے زمین میں گاڑ دے گا۔ آسمان والے بھی راضی ہو جائیں گے اور زمین والے بھی۔ آسمان اپنا ہر ہر (مبارک) قطرہ موسلا دھار بارش کی شکل میں زمین پر برسا دے گا اور زمین بھی اپنے تمام معدنی اور نباتی خزانے اگل دے گی۔"

اگر اس وقت کے معروضی حالات کو دیکھا جائے تو یہ بشارت بالکل ناممکن الوقوع نظر آتی ہے۔ لیکن ہمارے ایمان کا تقاضا ہے کہ جب نبی ﷺ کو ہم نے مان لیا ہے کہ وہ الصادق والمصدوق ہیں تو ان کی ہر خبر پر ایمان لانا لازم ہے۔ حدیث صحیح ہے' لہٰذا ایمان لانا ہے۔ شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ ہم یقین کریں یا نہ کریں' ہونا وہی ہے جس کی آپ نے خبر دی ہے۔

گوشۂ ظرافت

تعلیم اور سعی و محنت سے مسلمانوں کی بیزاری

(اکبر الہ آبادی کا منظوم لطیفہ)

خدا حافظ مسلمانوں کا اکبر — مجھے تو ان کی خوش حالی سے ہے یاس
یہ عاشق شاہد مقصود کے ہیں — و لیکن جائیں گے نہ سعی کے پاس
سناؤں تم کو اک فرضی لطیفہ — جسے میں نے کیا ہے زیب قرطاس
کہا مجنوں سے یہ لیلیٰ کی ماں نے — کہ بیٹا! تو اگر کر لے ایم اے پاس
تو فوراً بیاہ دوں لیلیٰ کو تجھ سے — بلا دقت میں بن جاؤں تیری ساس
کہا مجنوں نے یہ اچھی سنائی — کجا عاشق! کجا کالج کی بکواس!
کجا یہ فطرتی جوش طبیعت! — کجا ٹھونسی ہوئی چیزوں کا احساس
بڑی بی آپ کو کیا ہو گیا ہے! — ہرن پر لادی جاتی ہے کہیں گھاس
دل اپنا خون کرنے کو ہوں موجود — نہیں منظور مغز سر کا آماس
یہی ٹھہری جو شرط وصل لیلیٰ — تو استعفیٰ میرا با حسرت و یاس

آ بیل مجھے مار!

رعنا ہاشم خان

امریکہ کے صف اول کے اخبارات واشنگٹن پوسٹ اور نیویارک ٹائمز کی بریکنگ نیوز کے مطابق پاکستان کے انگریزی اور ترکی زبانوں پر عبور رکھنے والے ۵۸ سالہ سیکولر اور لبرل حکمران جنرل پرویز مشرف' جو اپنے فارغ وقت میں اسکواش' گولف اور بیڈمنٹن سے دل بہلاتے ہیں' نے ۱۴ جولائی سے شروع ہونے والے انڈیا پاکستان مذاکرات میں اپنی پوزیشن مستحکم بنانے کے لئے خود کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کا صدر منتخب کر کے حلف اٹھالیا ہے۔ اخبارات کے مطابق اب تک چیف ایگزیکٹو کہلانے والے نئے صدر پرویز مشرف جنہوں نے ۲۰ ماہ قبل زمام اقتدار ہاتھ میں لی تھی' پچھلے جرنیلوں کی روایات کو برقرار رکھا ہے۔

چیف آف اسٹاف کے اس قدم سے فیلڈ مارشل ایوب خان' جنرل یحییٰ خان اور جنرل ضیاء الحق کی روحیں یقیناً جھوم اٹھی ہوں گی۔ ہماری سیاسی تاریخ بھی انتہائی عجیب ہے کہ یہاں چہرے تو بدل جاتے ہیں لیکن اعمال سب کے ایک ہی جیسے ہوتے ہیں۔

> اس صدارت کے پیچھے امریکی ایجنڈا پوری آب وتاب سے چمکتا صاف نظر آرہا ہے۔

سابقہ حکومتوں کے اعمال میں یکسانیت ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ تقریباً تمام ضروریاتِ زندگی کے نرخ ہیلیم کے غبارے کی مانند دور آسمانوں کی خبر لینے جارہے ہیں اور آج حال یہ ہے کہ مہنگائی ہمارا مذاق اڑا رہی ہے۔ بقول علامہ' پروفیسر' ڈاکٹر طاہر القادری ''پاکستانی عوام کو قرضوں سے نجات دنوں میں مل سکتی ہے' چالیس ارب ڈالر کا قرضہ منٹوں میں اتر سکتا ہے' میرے بریف کیس میں بند قوم کے تمام مسائل کا حل کھل سکتا ہے بشرطیکہ مجھے اقتدار سونپا جائے۔'' چونکہ پاکستان کے ہر مسئلے کا حل اقتدار میں آ کر ہی ڈھونڈا جا سکتا ہے اسی لئے امن' خوشحالی اور معیشت کی بحالی کی طرف پیش قدمی کرنے کے لئے چیف آف اسٹاف کا صدرِ پاکستان کے عہدے پر فائز ہونا یقیناً ناگزیر ہو گیا ہو گا۔

پاکستان اور بھارت کو مذاکرات کے لئے راضی کرنے اور کشمیر جیسے حساس مسئلے کے حل کے لئے دونوں ممالک کے تیار ہو جانے کو آج کل امریکہ اپنی زبردست کامیابی سے تعبیر کر رہا ہے۔ امریکہ کی اس چال کے پیچھے اس کا یہ خوف چھپا ہوا ہے کہ اگر باہم چھیڑ چھاڑ کے نتیجے میں دونوں ممالک اپنے ایٹمی ہتھیاروں کو چھیڑ بیٹھے تو دنیا کا جغرافیہ کچھ ایسا تبدیل ہوگا کہ یہ تبدیلی لازماً امریکہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ لیکن اس سے کہیں بڑا خوف جو امریکہ کو لرزاتا ہے وہ پاکستان کی ایٹمی طاقت کے مذہبی جماعتوں کے ہاتھ آجانے کا خوف ہے جس کے نتیجے میں مغرب کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔

عاصمہ جہانگیر جب بھی نیویارک آتی ہیں حکومت کے کسی نہ کسی راز پر سے پردہ ضرور ہٹا کر جاتی ہیں مثلاً وہ جنرل مشرف کے مذہبی جماعتوں کو للکارنے سے پہلے ہی یہ کہہ کر جا چکی تھیں کہ موجودہ حکومت مذہبی جماعتوں کو لگام دینا چاہتی ہے۔ یوں اس صدارت کے پیچھے امریکی ایجنڈا جس آب وتاب سے چمک رہا ہے وہ ہم سب دیکھ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ صدرِ پاکستان جنرل پرویز مشرف جنہوں نے واجپائی کے گھٹنے بدلوانے کی حرص میں ملک کی صدارت ہی بدل ڈالی کے پیشِ نظر خاکی وردی سے کالی شیروانی تک کا سفر طے کرنے میں یہ مصلحت بھی رہی ہوگی کہ ''انڈیا کس منہ سے جاؤ گے مشرف'' کیونکہ بھارتی میڈیا ان کو مسلسل یہ کہتا رہا ہے کہ ''ملٹری ڈکٹیٹر'' سے مذاکرات قطعی نہیں کیے جا سکتے۔ ویسے بھی صدرِ پاکستان کی حیثیت سے پروٹوکول ملنا اور بھارتی وزیرِ اعظم اور صدرِ پاکستان کا چاندنی رات میں تاج محل کا نظارہ کرنا بذاتِ خود ایک دلچسپ نظارہ ہوگا۔ ''ہنوز دلی دور است'' دیکھیں تب تک اور کیا کیا ہوتا ہے کیونکہ سیاستِ وطنِ عزیز میں حلف اٹھانا' مستعفی ہونا یا کر دینا اور اسمبلیوں کی توڑ پھوڑ عام باتیں ہیں۔ اسمبلیاں تو ہمارے یہاں بالکل اس طرح توڑی جاتی ہیں جیسے بچے ریت پر بنے گھروندے توڑتے ہیں۔ غالباً یہ اسمبلیاں بھی ان گھروندوں کی طرح بودی ہوتی ہوں گی۔ سیاسی ماہرین تو پہلے ہی سے کہہ رہے تھے کہ اس سال ۱۴ اگست سے پہلے اسمبلیاں توڑ دی جائیں گی۔ اور چیف آف اسٹاف بھی چند ہفتے پیشتر یہ فرما چکے تھے کہ بے کار سیاست دان اب گھر بیٹھیں وہ اپنی اننگز کھیل چکے ہیں اور ہمیشہ زیرو پر آؤٹ ہوتے رہے ہیں' انہوں نے قوم کو کچھ نہیں دیا اب وہ ہمیں تنگ نہ کریں۔ بالفاظِ دیگر اب وہ ہمیں بطورِ سویلین صدر ملک کی قیادت سنبھالنے دیں۔ سرحدوں کا اللہ بیلی ہے' اب تو سویلین سیٹ اپ میں فوج نہایت اہم رول ادا کرے گی اور مکمل طور پر

> ہماری سیاسی تاریخ میں چہرے تو بدل جاتے ہیں' اعمال ایک جیسے ہی رہتے ہیں

سیاست میں الجھ کر رہ جائے گی۔ مختصر ترین الفاظ میں فوج کے سول معاملات میں ملوث ہو جانے کا مطلب دشمن کو دعوت عام ہے کہ ''آ بیل مجھے مار''!

قارئین توجہ فرمائیں!

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے نئے بینک اکاؤنٹ نمبرز

گزشتہ دنوں یو بی ایل کی طرف سے انسداد سود سے متعلق عدالتی فیصلے کے خلاف نظر ثانی کی اپیل دائر کرنے پر صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن و امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے پاکستانی مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ یو بی ایل سے اپنے کاؤنٹس بند کروا دیں۔ چنانچہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے بھی احتجاجاً مذکورہ بینک سے اپنے اکاؤنٹس بند کروا دیئے ہیں۔ ادارہ نے اپنے نئے بینک اکاؤنٹس مسلم کمرشل بینک' ماڈل ٹاؤن برانچ میں کھولے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

☆ بینک اکاؤنٹ نمبر C.D 1853-5 براہ راست عطیات جمع کرانے سے متعلق ہے۔

☆ مکتبہ کی ادائیگی و لین دین کے لئے بینک کا اکاؤنٹ نمبر CD 1863-4 ہے۔

سفرنامۂ افغانستان (7)

تنظیم اسلامی کے وفد کے حالیہ دورۂ افغانستان کی لمحہ بہ لمحہ روداد

شاہد اسلم

چڑیا اور لیڈر: آریانا ہوٹل کے استقبالیہ ہال میں بیٹھے طیارے کی روانگی کا انتظار کر رہے ہیں یہاں ایک کونے میں لکڑی کا خوبصورت نقش و نگار والا پنجرہ ہے جس میں پیلے رنگ کی چھوٹی سی خوبصورت چڑیا ہے۔ ایک گھنٹے کے دوران اس نے مختلف اوقات میں چھ مختلف آوازوں سے چہچہایا گویا کہ وہ الوداعی کلمات ادا کر رہی ہو۔ اچانک راقم کا ذہن اپنے ملک کے قائدین کی طرف چلا جاتا ہے کہ چڑیا مختلف آوازیں نکالے یا انسان مختلف ملکوں کی زبانیں سیکھے تو اچھا لگتا ہے، مگر لیڈر اور وہ بھی دینی جماعتوں کے، اگر ایک وقت میں انقلاب کی بات کریں اور دوسرے کسی موقعے پر انتخابات میں حصہ لینے کی بات، کبھی فوج کو حکمرانی کی دعوت اور کبھی انہیں عوام کے لئے وبال جان ثابت کرنا، کبھی

> افغانستان میں تمام شرعاً حرام چیزوں کو ختم کر دیا گیا ہے

بلدیاتی الیکشنوں میں یوروں، عورتوں، وڈیروں کی اکثریت کے در آنے کا شکوہ اور پھر انہی الیکشنوں میں بھرپور عملی شمولیت، کہیں امریکہ کو امت مسلمہ کا دشمن قرار دینا اور کبھی امریکہ یاترا کے دوران لبرل ازم کے حامی اور اپنے آپ کو بنیاد پرست نہ ہونے کا اظہار کرنا اور امریکہ کو باور کرانے کی کوشش کرنا کہ اگر ہم آئے تو بنیادوں کے بغیر اسلام کے قوانین کو رائج کریں گے جو امریکہ، یورپ و دیگر غیر قوموں کو بھی خوش رکھیں گے اور اللہ کو بھی لہٰذا حالات یہاں تک پہنچ چکے ہیں کہ عوام ان آدھے تیتر آدھے بٹیر نما بیانات کو سن کر اپنے کانوں کو پکتا ہوا محسوس کر رہے ہیں۔ یہ لیڈر اسی لئے تو طالبان کے خلاف بیانات داغتے ہیں کہ ان کی لیڈرشپ اور عوام نے ایک بات کہی کہ اللہ ہمارا رب ہے اور حضرت محمد ﷺ ہمارے رہبر ہیں اور اس پر وہ ڈٹ گئے ہیں۔ طالبان کی یہی یک رخی ہی آج انہیں دنیا کے ہرجائی قائدین سے ممیز کر رہی ہے۔

چڑیا کی آواز نے چونکا دیا۔ ادھر افغانی صاحب نے ایئرپورٹ رابطہ کر لیا۔ تقریباً ساڑھے چار بجے ہمارا قافلہ کابل ایئرپورٹ کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر مکمل بے رونقی کا احساس ہوا۔ تینوں گاڑیوں کو سلیقے سے رن وے کی ایک جانب پارک کر دیا گیا۔ افغانی صاحب طیارے کو دیکھنے کے لئے دوسری طرف چلے گئے۔ ساتھیوں نے باہر نکل کر چہل قدمی کا ارادہ کیا مگر تیز ٹھنڈی ہوا نے انہیں گاڑیوں کے شیشے بند کر کے بیٹھے رہنے پر مجبور کر دیا۔ زین العابدین صاحب ہماری گاڑی میں آ گئے اور ٹھنڈی فضا کو اپنی شاعری کے ذوق سے گرمانے لگے، موصوف نے سفر افغانستان کے دوران موقع کی مناسبت سے شعر سنانے کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا جس سے تمام ساتھی خوب محظوظ ہوتے رہے۔

افغانی صاحب واپس آئے اور گاڑیوں کو ایئرپورٹ کی عمارتوں کے عقب سے دوسری طرف لے گئے۔ وہاں سب نماز عصر کے لئے اترے۔ وضو کرنے اور نماز ادا کرنے کے تقریباً دس پندرہ منٹ بعد تک یہی احساس رہا کہ ہمارے ہاتھ ہمارے ساتھ نہیں۔ دراصل رات بھر بارش اور اب ہوا نے ٹھنڈک بڑھا دی تھی۔ ڈیوٹی پر مامور نوجوانوں نے مہمان نوازی کا حق ادا کرتے ہوئے گرما گرم قہوہ پلایا۔

ابوجبریل ہمارے ساتھ ہے۔ ایک افغانی طالب سے اس نے گاڑی لی اور رن وے پر چلا گیا اور پھر اس سپیڈ سے دوڑائی کہ ہمارا گمان تھا کہ ابوجبریل جسم، روح اور گاڑی کے ساتھ بغیر پروں کے اڑ جائے گا۔ چار آدمی شلوار قمیص پہنے ہوئے طیارے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ایک اس کے اندر

> نازنخروں والے تمام قوانین کو ختم کرنے کا افغانیوں نے تہیہ کر رکھا ہے

چلا گیا، دوسرے نے چھلانگ لگائی اور تیسرے کے کندھے پر چڑھ کر کھڑا ہو گیا اور طیارے کے اگلے پروں کو چیک کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں طیارے کی درستگی کا سگنل مل گیا۔ چاروں جہاز کے نیچے کھڑے ہو کر خوش گپیوں اور کشتی کے انداز میں چھیڑ چھاڑ میں مصروف ہیں۔ ان میں ایک پائلٹ صاحب ہیں جبکہ باقی ان کے معاون اور انجینئر صاحبان ہیں۔ مسنون داڑھیاں، کندھے پر روایتی چادریں، پاؤں میں عام سی چپلیں! گوروں کے نازنخروں والے تمام قوانین کو توڑنے کا شاید افغانیوں نے تہیہ کر رکھا ہے۔ ادھر ہمارے یار لوگ ہیں کہ سنت رسولؐ رکھ کر ایئرفورس میں شمولیت حرام کئے ہوئے ہیں۔ یعنی ہم نے اللہ اور رسولؐ کے قوانین کو توڑنے اور انگریز کے ''مقدس'' قوانین کو سینے سے لگانے کا عزم کر رکھا ہے۔ اپنے اپنے حوصلے اور ظرف کی بات ہے۔

ہمیں روانگی کا اشارہ ہوا۔ ہر ساتھی خلوص اور محبت بھرے انداز میں اپنے میزبان عبدالغفور افغانی صاحب کو گلے مل رہا ہے، جن کا مسکراتا چہرہ اور چمکدار آنکھیں یہ درس دے رہی تھیں کہ دنیا کے ظالم حکمران چاہے افغان قوم کو کتنا ہی برباد کر دیں، ان کی مہمان نوازی اور توکل پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ ہمیں جب تک کابل ایئرپورٹ نظر آتا رہا افغانی صاحب اپنے ساتھیوں سمیت الوداعی انداز میں کھڑے رہے۔

راقم اور وفد میں شامل اکثر ساتھیوں کو بے شمار دفعہ ہوائی سفر کرنے کا موقع ملا ہے مگر سب کی تقریباً متفقہ رائے تھی کہ

> طالبان تحریک حکمرانی کے بجائے امن کے قیام اور اسلام کی تنفیذ کے لئے کام کر رہی ہے

ہم نے آج تک اتنی خوبصورت ٹیک آف اور لینڈنگ نہیں دیکھی جیسی کہ افغانی پائلٹ نے کی ہے۔ جہاز میں دس بارہ سالہ بچہ بھی ہمارے ساتھ سفر کر رہا ہے جو اپنی ذات میں کچھ پڑھ رہا ہے۔ جب ایک ساتھی نے اس سے پشتو زبان میں تعارف حاصل کیا تو پتہ چلا کہ وہ مسجد خرقہ شریف قندھار میں حفظ کرنے کے بعد دیگر تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ جب اس سے کہا گیا کہ قرآن سناؤ تو اس نے قرأت شروع کی۔ ماشاء اللہ ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے حرم کے امام عبدالرحمٰن السدیس اپنے بچپن میں قرآن سنا رہے ہوں۔ ساتھیوں نے اس کی حوصلہ افزائی کے لئے اسے کافی روپے ہدیہ کئے۔

قندھار ایئرپورٹ پر گاڑیاں ہمیں لینے آئی تھیں۔ ان پر سوار ہو کر ہم نماز مغرب تک مہمان خانے میں پہنچ گئے اور نماز ادا کی۔

گورنر قندھار سے ملاقات: ریسٹ ہاؤس میں ہمارے میزبان عنایت اللہ صاحب نے بتایا کہ ساڑھے آٹھ بجے قندھار کے گورنر ملا محمد حسن رحمانی ملاقات کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔ ابھی کچھ وقت تھا اس لئے ساتھی اپنے اپنے

کمروں میں چلے گئے۔ ساڑھے آٹھ بجنے میں ابھی پانچ منٹ تھے کہ ایک گاڑی رکی۔ دو آدمی گاڑی میں بیٹھے بی بی سی سن رہے تھے۔ ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے وہ ہال میں داخل ہوئے۔ ایک لمبے قد کا وجیہہ اور دوسرا شخص ذرا بڑی عمر کا جس کی ٹانگ ران کے قریب سے کٹی ہے اور اس کی جگہ مصنوعی ٹانگ لگا رکھی ہے' دیہاتی سٹائل کا لباس پہنے ہوئے۔ ہم یہی سمجھے کہ قد آور اور خوبرو شخص گورنر قندھار ہے مگر تعارف کروانے پر علم ہوا کہ جن کی ٹانگ کٹی ہوئی ہے' وہ گورنر ہیں اور پہلا شخص ان کا ڈرائیور یا معاون ہے۔

ملا محمد حسن رحمانی طالبان تحریک کے غلبے کے دن سے لے کر اب تک گورنر قندھار کی ذمہ داریاں نبھا رہے ہیں۔ اس عمر میں بھی شب و روز محنت کرتے ہیں۔ اس وقت بھی ان کے چہرے سے تھکاوٹ کے اثرات نمایاں تھے۔ بعد میں انہوں نے وضاحت کی کہ نماز فجر کے بعد سے لے کر اب تک وہ مسلسل کام کر رہے ہیں۔ موصوف اردو زبان جانتے ہیں۔ اپنا مزید تعارف کرواتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ وہ عبدالرب رسول سیاف صاحب کی زیر قیادت جہاد میں حصہ لیتے رہے اور اسی دوران ٹانگ شہید ہوئی تھی۔ سیاف صاحب سے توقع تھی کہ وہ مساکین' عوام' ملک اور اسلام کے لئے کام کریں گے مگر انہوں نے حکومت کے لئے سب کچھ تباہ کر دیا جبکہ طالبان تحریک حکمرانی کرنے کی بجائے امن قائم کرنے اور اسلام کی تنفیذ کے لئے کام کر رہی ہے۔ طالبان کے آنے سے دن اور رات کا فرق آ گیا ہے۔ ہم نے ملک میں بارودی سرنگیں ختم کرنے' ٹیلی کمیونیکیشن کے نظام کو بحال کرنے اور تعلیمی ادارے فعال کرنے کا کام کیا ہے۔ الحمدللہ اس وقت افغانستان میں تمام شرعاً حرام چیزوں کو ختم کر دیا گیا ہے۔ اس وقت عالم کفر کو ہم سے صرف یہی خدشہ اور ڈر ہے کہ اسلامی نظام کی برکات کی چمک کہیں دوسرے ممالک تک نہ پہنچ جائے۔

ملا رحمانی صاحب نے عالمانہ انداز میں گفتگو کرتے ہوئے اس آیت کا حوالہ دیا جس میں رب العزت نے فرمایا کہ: "یہود اور نصاریٰ تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے یہاں تک کہ تم ان کی پیروی نہ کرلو"۔ گورنر صاحب نے وضاحت کی کہ آپ اندازہ لگائیں کہ عالم کفر اس وقت طالبان سے راضی ہے یا شمالی اتحاد سے کون' امریکہ اور یورپ اور انڈیا سے مدد لے رہا ہے۔ لہٰذا یہ آیت اسلام سے ہماری وابستگی کو عیاں کر رہی ہے کیونکہ پورا عالم کفر ہمارے خلاف صف آرا ہے۔

امیر محترم نے سوال کیا کہ یہاں مقدمات کے فیصلے جلد ہوتے ہیں یا ان میں تاخیر ہوتی ہے۔ ملا رحمانی صاحب نے بتایا کہ مقدمات کی نوعیت مختلف ہوتی ہے بہر حال کوشش یہی ہوتی ہے کہ جلد فارغ کر دیا جائے۔ جب یہ سوال کیا گیا کہ قاضی کے فیصلے پر اپیل بھی ہوتی ہے تو انہوں نے وضاحت کی کہ ایک ابتدائیہ عدالت ہے' پھر مدافعہ (ہائی کورٹ)' پھر ستره محکمہ (سپریم کورٹ) اور اگر معاملہ زیادہ پیچیدہ ہو تو پھر اختصاصی علماء بورڈ تشکیل دیا جاتا ہے۔ اسی دوران کھانا دسترخوان پر سجا دیا گیا تھا۔ تمام ساتھی ڈائننگ ہال میں چلے گئے۔ امیر محترم اور گورنر قندھار کو کانفرنس روم ہی میں کھانا پیش کیا گیا۔ لہٰذا اس دوران بھی دونوں کے درمیان گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ بعد ازاں نماز عشاء باجماعت ادا کی گئی۔ گورنر صاحب نے وفد کی آمد کا شکریہ ادا کیا اور رات تقریباً ساڑھے دس بجے محفل برخاست ہوئی۔ (جاری ہے)

زبان خلق

جماعت اسلامی کی قیادت سے چند گزارشات

مملکت خداداد پاکستان کے سیاسی حالات کے حوالے سے جب بھی بات ہوتی ہے تو مختلف دینی جماعتوں کی کارکردگی ضرور موضوع بحث بنتی ہے۔ ایک محفل میں ملکی حالات کے تناظر میں گفتگو ہو رہی تھی تو روئے سخن جماعت اسلامی کی طرف بھی مڑ گیا۔ روزنامہ "جہاد" کے مالک و مدیر جناب شریف فاروقی نے تجزیہ کرتے ہوئے بتایا کہ جماعت اسلامی ملک کی منظم ترین جماعت ہے۔ اس کے پاس مخلص کارکنوں کی اچھی خاصی تعداد ہے جن میں قائدانہ صلاحیتوں کے حامل افراد کا بھی اچھا تناسب ہے لیکن اس کے باوجود ملکی سطح پر اب تک انہیں کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہو سکی اور یہ چیز بڑی افسوس ناک ہے۔ انہوں نے خود ہی اس کا سبب بھی بیان فرمایا کہ جماعت اسلامی ملکی سیاست میں مثبت کردار ادا کرنے میں جو ناکام ہوئی ہے تو اس میں اصل قصور معاشرے کا ہے۔ معاشرہ چونکہ بدعنوانی میں ملوث ہے اس لئے جماعت اسلامی کو بدعنوان معاشرے سے تعاون نہیں مل سکا۔

جناب شریف فاروق صاحب کا تجزیہ اپنی جگہ لیکن اصل حقیقت کچھ اور ہے۔ وہ یہ ہے کہ جماعت اسلامی کا اصل پروگرام نظام کی تبدیلی ہے یعنی موجودہ نظام کی جگہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نظام عدل وقسط کی تنفیذ اور غلبہ و اقامت دین۔ یہ پروگرام بلاشک وشبہ بہت اچھا ہے اور مسلمانوں کی دنیوی و اخروی زندگی کی کامیابی کا واحد ضامن ہے لیکن سوال یہ ہے کہ نظام کی تبدیلی پہلے سے موجود نظام کا حصہ بن کر کیسے لائی جائے گی۔ یا بقول شریف صاحب' بدعنوان معاشرے کے ساتھ سازگاری اختیار کر کے تبدیلی کا خواب کیسے شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے؟ سیدھی سی بات ہے کہ نظام کی تبدیلی کے لئے پہلے سے موجود غلط نظام سے بغاوت کرنی پڑتی ہے اور غلط نظام کے سب باغیوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا ہوتا ہے اور پھر ان کو منظم کر کے تربیت کے مراحل سے گزار کر باطل نظام کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا ہوتا ہے۔

اس بات کو سمجھنے کے لئے ہم تیار نہیں ہیں بلکہ اس حقیقت کو یہ کہہ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ اس طرح تو فساد برپا ہو گا جبکہ اسلام تو امن و سلامتی کا دین ہے اور اس میں فساد کی گنجائش نہیں ہے۔ اگرچہ یہ کوئی مضبوط دلیل نہیں کیونکہ اصل فساد کی جڑ تو باطل نظام ہے جس کو بیخ و بن سے اکھیڑنے کے لئے آپریشن کی ضرورت ہوتی ہے لیکن بر سبیل بحث اس بات کو مان بھی لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک نظام کو ہٹا کر دوسرے نظام کو لانے کا طریق کار کیا ہے۔ اس وقت اس بحث سے صرف نظر کرتے ہوئے کہ اسلامی نظام کے قیام کے لئے نبویؐ طریق کار کیا ہے' ایک مثال کے ذریعے بات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اگر جمہوریت بحال کرنی ہو تو ڈکٹیٹرشپ سے اعلان برات کرنا پڑے گا۔ اگر کوئی جماعت ڈکٹیٹرشپ کا حصہ بھی ہو اور بحالی جمہوریت کے لئے کوشاں ہو تو کسے یقین آئے گا کہ بحالی جمہوریت کی کوشش مخلصانہ ہے۔ ڈکٹیٹرشپ کے خاتمے کے لئے تو ایک زبردست تحریک چلانا پڑے گی جیسا کہ پاکستان کی سیاسی تاریخ میں ہوا بھی ہے۔ اگر یہ سادہ سی بات سمجھ میں آ جائے تو سیاسی میدان میں جماعت اسلامی کی ناکامی کا سبب آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ جماعت اسلامی ملک میں اسلامی نظام لانا چاہتی ہے لیکن مروجہ ملکی نظام کے ذریعے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی پرانے مکان کی جگہ نیا مکان تعمیر کرنے کا ارادہ کرے مگر پرانے مکان کو ہلانا بھی نہ چاہے۔ اب یہ خواہش تو ہو سکتی ہے لیکن عملی طور پر ممکن نہیں۔ نیا مکان بنانے کے لئے پرانے کو مسمار کرنا پڑے گا۔ ہاں البتہ اگر کوئی پرانے مکان کو مرمت کرنا چاہے تو اس کو گرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب جماعت اسلامی کی قیادت کے لئے خاص طور پر اور متوسلین جماعت کے لئے عام طور پر لمحۂ فکریہ ہے کہ اگر نظام کی تبدیلی پیش نظر ہے تو پہلے سے موجود نظام کی عملی طور پر مکمل نفی کرنی ہو گی اور قیام نظام اسلامی کی جدوجہد کو سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں از سر نو ترتیب دینے کی ضرورت ہو گی۔ اس ضمن میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی سٹریچی ہال والی تقریر جس میں آں جناب نے نہایت جامع انداز سے اسلامی حکومت کے قیام کا تفصیلی جائزہ پیش فرمایا تھا' رہنمائی لی جا سکتی ہے۔

(از: عبداللہ' نوشہرہ)

امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا دورۂ کراچی اور حیدر آباد (۲ تا ۵ جون ۲۰۰۱ء)

ماہ جون میں امیر محترم کا پہلا پروگرام ان کا وہ خطاب تھا جو انہوں نے ۲ جون کو نیشنل ریفائنری آفیسرز ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام رنگون والا ہال، دھوراجی کالونی میں منعقدہ سیرت طیبہ کانفرنس میں فرمایا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمیں غور کرنا پڑے گا کہ آج کے دور کا حضور ﷺ کی سیرت سے کیا تعلق ہے۔ دنیا ملوکیت، سرمایہ دارانہ جمہوریت اور اشتراکیت کے نظاموں کو آزمانے کے بعد آج ایک نظام عدل کی تلاش میں ہے جو اسے صرف اور صرف اسلام ہی فراہم کر سکتا ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر کو اصل خطرہ اسلام سے ہے لہٰذا اس نے مسلمان اقوام کو مختلف بہانوں سے ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ ہمیں اغیار کی سازشوں کو سمجھنا چاہئے اور اپنی ساری توانائیاں اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام کے لئے وقف کر دینی چاہئیں۔

۳ جون کو امیر محترم نے تنظیم اسلامی کے ماہانہ دعوتی پروگرام میں سورۃ الکہف کے رکوع ۵ اور ۶ پر درس دیتے ہوئے فرمایا کہ دنیا کے ظواہر انسان کو اللہ کے حسن ازلی سے توجہ ہٹا کر اپنی طرف پھیر لیتے ہیں۔ مادی وسائل پر اس حد تک توکل کہ انسان مسبب الاسباب سے محجوب ہو جائے، آج کے دور کا شرک ہے جسے ہم مادہ پرستی کے نام سے جانتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ تکوینی حاکمیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تشریعی حاکمیت بھی تسلیم کی جائے۔ اس سے قبل انجینئر نوید احمد صاحب نے قرآن حکیم کے مختلف مقامات سے آیات منتخب کر کے سود کی شناعت واضح کی اور سود کے بارے میں سپریم کورٹ کے فیصلے کے خلاف یو بی ایل کی ریویو پٹیشن کا ذکر کرتے ہوئے لوگوں سے اپیل کی کہ وہ مذکورہ بینک میں اپنا اکاؤنٹ بند کر دیں۔ اسی شب دیال داس کلب، حیدر آباد میں امیر محترم نے تقریباً ۸۰۰ حضرات وخواتین کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے دین کے چار زاویئے بیان کئے کہ جب دین حالت مغلوبی میں ہو تو غلبۂ دین کی جدوجہد فرض عین ہو جاتی ہے۔ اس جدوجہد کے نتیجے میں دنیا کے کسی قابل لحاظ خطے میں دین کا غلبہ ہوگا جو عالمی خلافت کے قیام کا پیش خیمہ بنے گا، جس کی نوید ہمیں مختلف احادیث نبوی ﷺ میں ملتی ہے۔

۴ جون کو کراچی میں مختلف حضرات نے امیر محترم سے ملاقاتیں کیں جن میں داعیان اتحاد امت کے ڈاکٹر عرفان طارق صاحب بھی شامل تھے۔ اسی شب امیر محترم نے افغان کونسل جنرل عزت مآب مولوی رحمت اللہ کا کازادہ کی جانب سے عشائیہ میں شرکت فرمائی جہاں انہوں نے باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال فرمایا۔

۵ جون کو امیر محترم نے جامع ربانیہ کے مہتمم محترم مولانا نورالہدیٰ صاحب دامت برکاتہم کی دعوت پر طلباء واساتذہ کرام سے خطاب فرمایا۔ انہوں نے طلباء پر حصول علم کی اہمیت مختلف احادیث کے حوالے سے واضح فرمائی۔ اساتذہ سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ انہیں دور جدید کے فلسفہ ومنطق سے آگاہی حاصل کرنا بھی ضروری ہے ورنہ وہ بہت پیچھے رہ جائیں گے۔ انہوں نے منہاج اور شریعت کے حوالے سے منہاج نبوی ﷺ اور منہاج موسوی وعیسوی علیہم السلام کا فرق واضح کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس دورے کے ثمرات سمیٹنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! (رپورٹ: محمد سمیع)

تنظیم اسلامی تیمر گرہ کا ایک روزہ پروگرام

تنظیم اسلامی تیمر گرہ کے زیر اہتمام نوی کلی تیمر گرہ کی مسجد میں ۱۹ مئی کو ایک روزہ پروگرام منعقد ہوا۔ رفقاء قبل از نماز عصر مقررہ مسجد پہنچے۔ تحیۃ المسجد پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی گئی۔ دعا کے بعد مشورہ ہوا۔ بعد نماز عصر عزیز الحق بھائی نے عظمت قرآن کے موضوع پر تقریباً آدھا گھنٹہ خطاب کیا۔ نماز مغرب سے پہلے محمد فہیم صاحب نے جماعت اسلامی کے زیر اہتمام منعقدہ ایک کانفرنس کی کارروائی سنائی جو کہ بلدیاتی اداروں میں خواتین کی ۳۳ فیصد نمائندگی پر منعقد ہوا تھا۔ فہیم صاحب نے کہا کہ کانفرنس میں اصل موضوع پر بہت کم گفتگو ہوئی جبکہ ساری توجہ سیاسی امور پر مرکوز رہی۔

بعد نماز مغرب مولانا حقانی نے نبی اکرم ﷺ کے مقصد بعثت پر اپنے خطاب میں فرمایا کہ آپؐ کی بعثت دین کے غلبہ کے لئے ہوئی تھی اور آپؐ نے دین کو غالب کر کے دکھایا۔ اب یہی کام امت مسلمہ کو حضور اکرم ﷺ کی نہج پر کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان موجودہ فاصلوں کو ختم کرنے کے لئے غیر اسلامی نظام کو درہم برہم کرنا ہوگا تاکہ بندہ یکسو ہو کر اللہ کی بندگی کر سکے۔

بعد نماز عشاء غیر رسمی گفتگو میں مولانا حقانی نے چند احباب سے حالیہ اجتماع اور تیمر گرہ مرکز کی غرض وغایت پر گفتگو کی۔

اگلے روز بعد نماز فجر مولانا حقانی نے سورۃ فاتحہ کی ابتدائی تین آیات پر درس دیا۔ پورے ۸ بجے تربیتی نشست شروع ہوئی جو دو گھنٹوں پر محیط تھی۔ اس میں دستور اور نظام العمل کے بعض حصوں کا اجتماعی مطالعہ کیا گیا۔ فرائض دینی کے جامع تصور پر بھی چارٹ کی مدد سے مذاکرہ ہوا۔ آخر میں احسان الودود صاحب نے رفقاء سے ۱۴ سوالوں پر مشتمل ایک سوال نامہ پُر کرایا جس میں خاصے فکر انگیز سوالات تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری اس سعی کو اپنی درگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین!

(رپورٹ: شاہ وارث)

حلقہ سرحد (شمالی) کے زیر اہتمام دعوتی وتربیتی اجتماعات

☆ اسرہ بدرشی کے زیر اہتمام ماہانہ دعوتی اجتماع ۳ مئی کو بلال مسجد بدرشی میں منعقد ہوا، جس کے لئے ڈاکٹر مقصود خصوصی طور پر مردان سے تشریف لائے۔ نماز عشاء کے بعد ایک گھنٹے کے مفصل خطاب میں ڈاکٹر صاحب نے بورڈ کی مدد سے مطالبات دین ۷۰ احباب اور اسرے کے تمام رفقاء کے سامنے آسان اور مدلل انداز میں پیش کئے۔ ساتھ ہی تنظیم اسلامی کا تعارف اور مقصد واضح کیا۔

☆ تنظیم اسلامی خویشگی کے زیر اہتمام ماہانہ دعوتی اجتماع [illegible] مسجد خویشگی میں ۱۰ مئی کو منعقد ہوا۔ نماز عصر کے بعد حافظ [illegible] احمد نے عبادت رب کا قرآنی تصور لوگوں کے سامنے بیان کیا۔ نماز مغرب کے بعد قاضی فضل حکیم نے ''حقوق اللہ کے دو پہلو'' پر بات کرتے ہوئے حاضرین پر واضح کیا کہ عقائد، عبادات اور رسومات کی ادائیگی کے لئے کسی جماعت، امیر وغیرہ کی ضرورت نہیں رہتی لیکن معاشرتی، معاشی اور ریاستی سطح پر حقوق اللہ کی ادائیگی کے لئے ایک مضبوط اور منظم جماعت اور امیر ناگزیر ہے۔ مجموعی طور پر ۷۰ افراد نے اجتماع میں شرکت کی۔

☆ حلقہ کے زیر اہتمام مرکزی دعوتی اجتماع ۱۳، ۱۴ مئی کو جامع مسجد، گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول پیر صدی (مردان) میں منعقد ہوا۔ نماز مغرب کے بعد عبادت رب اور نماز عشاء کے بعد ''مشکل ترین ایمان'' پر قاضی فضل حکیم نے تقریباً ایک سو افراد کے سامنے بات کی۔ اگلے دن سکول میں اساتذہ اور طلباء سے ''علم کی اقسام'' پر تفصیلی خطاب کیا۔

☆ حلقہ کے زیر اہتمام ایک دعوتی اجتماع ۱۷ مئی کو جامع مسجد، شمسی روڈ، مردان میں منعقد ہوا۔ بعد نماز عشاء ڈاکٹر حافظ مقصود صاحب نے اسلام کا انقلابی فکر اور تنظیم اسلامی کا تعارف پیش کیا۔

☆ حلقہ کے زیر اہتمام ایک اور دعوتی اجتماع ۲۴ مئی کو مسجد حاجی جمیل ہاتھیان میں منعقد ہوا۔ قاضی فضل حکیم نے حقوق اللہ کا صحیح تصور بورڈ کی مدد سے لوگوں کے سامنے واضح کیا۔ بعد میں تفصیلی سوال وجواب ہوئے۔

☆ مرکزی تربیتی شب بسری ۲۶ مئی کو دفتر حلقہ میں منعقد ہوئی۔ نماز مغرب کے بعد ضمیر اختر صاحب نے سورہ ق کے دوسرے رکوع کا ایمان افروز درس دیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر حافظ مقصود صاحب نے رفقاء واحباب کے سامنے ''اسلام کا معاشی نظام'' واضح کیا۔ نماز عشاء اور کھانے کے بعد نصر اللہ نے درس حدیث

میں ایک طویل حدیث کے حوالے سے سمجھایا کہ جماعتی زندگی میں بدگمانی پھیلانے سے احتراز کیا جائے۔ آرام انفرادی نوافل اور نماز فجر کے بعد مولانا حضرت گل صاحب نے حرمت سود پر تفصیلی درس قرآن دیا۔ ناشتہ کے بعد قاضی فضل حکیم نے تجوید حافظ حامد احمد نے سورۃ التکاثر کا حفظ و ترجمہ حافظ شاہ فیصل نے نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں جان اصغر نے مطالبات دین اور مولانا اطلس خان صاحب نے ''موجودہ حالات اور تنظیم اسلامی'' کے حوالے سے بات کی۔ شب بسری کے اختتام پر نوشہرہ کینٹ میں سود کے خلاف مظاہرے کا پروگرام طے تھا جس کے لئے امیر حلقہ اظہر بختیار خلجی صاحب نے تفصیلی ہدایات دیں اور طریقہ کار بتایا۔ لہٰذا دس بجے ایک خاموش، منظم اور پرامن مظاہرہ کیا گیا۔ شرکاء نے بینرز اور تی بورڈ اٹھا رکھے تھے جن پر سود کی حرمت، قباحت اور نتائج لکھے گئے تھے۔ تقریباً ڈھائی ہزار پمفلٹ تقسیم کئے گئے۔

☆ ماہ مئی کا آخری دعوتی اجتماع اسرہ پنج پیر کے زیر اہتمام پنج پاؤ مسجد ٹوپی (ضلع صوابی) میں منعقد ہوا۔ اس کا اہتمام منفرد رفیق شاہ زمان صاحب نے کیا تھا۔ نماز مغرب کے بعد قاضی فضل حکیم نے ''دین و مذہب کا فرق'' بورڈ کی مدد سے ۶۰ افراد کے سامنے واضح کیا۔ اس کے بعد دیر تک سوال و جواب ہوئے۔ مقامی لوگوں نے آئندہ اس طرح کے مزید پروگرام منعقد کرانے پر اصرار کیا۔ (مرتب: ملک امان)

انجمن خدام القرآن فیصل آباد کی مجلس عاملہ کا اجلاس

انجمن خدام القرآن فیصل آباد کی مجلس عاملہ کا اجلاس ۱۷ جون بعد نماز مغرب قرآن اکیڈمی میں منعقد ہوا۔ بعد ازاں اسے اجلاس عام قرار دے کر اراکین انجمن کے علاوہ دیگر احباب و رفقائے تنظیم اسلامی فیصل آباد کو بھی شمولیت کی اجازت دی گئی۔ شیخ محمد سلیم چاولہ صاحب نے تلاوت قرآن سے اجلاس کا آغاز کیا۔ معتمد مجلس عاملہ جناب میاں محمد اسلم نے گزشتہ اجلاس کی کارروائی پڑھ کر سنائی۔ ناظم مالیات ریٹائرڈ کرنل نجم حمید نے اپنی رپورٹ پیش کی اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قرآن اکیڈمی کی تعمیر پر اب تک تقریباً پچیس لاکھ روپے خرچ ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد انجمن خدام القرآن فیصل آباد کے تاحیات صدر ڈاکٹر عبدالسمیع نے اس قرآن اکیڈمی کا پس منظر اور اغراض و مقاصد سامعین کے سامنے بیان کئے۔ انہوں نے کہا کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب جو کہ تنظیم اسلامی کے امیر بھی ہیں، اولاً ان کو قرآن مجید سمجھنے سمجھانے کا داعیہ پیدا ہوا تو اس کے نتیجہ میں لاہور میں مرکزی انجمن خدام القرآن وجود میں آئی۔ آہستہ آہستہ ان کے دروس قرآنی بذریعہ آڈیو ویڈیو کیسٹس دوسرے شہروں تک بھی پہنچے تو فیصل آباد میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ماہانہ درس قرآن کا آغاز ہوا اور پھر ان ہی کی سرپرستی میں انجمن خدام القرآن فیصل آباد مورخہ ۲۶ مئی ۱۹۹۶ء کو قائم ہوئی۔ انجمن ہذا نے وقتاً فوقتاً عربی کلاسز، رمضان المبارک میں دورۂ ترجمہ اور ہر ماہ کے شروع میں درس قرآن کا اہتمام جاری رکھا اور اب قرآن اکیڈمی کا منصوبہ زیر تعمیر ہے۔ اس میں جدید تعلیم کے دل دادہ لوگوں کو ان کی زبان اور محاورے میں دین سے روشناس کرایا جائے گا۔ ہمارے ہاں دینی مدارس اور سکول و کالجز کا ماحول اور نظام تعلیم بالکل علیحدہ علیحدہ ہے۔ ہم اس بُعد کو قرآن اکیڈمی کے ذریعہ ختم کرنا چاہتے ہیں اور ایک ساتھ دینی و دنیوی تعلیم کا نصاب رائج کریں گے۔ ڈاکٹر عبدالسمیع نے تمام سامعین اور مقامی احباب کو اس نیک کام میں شریک ہونے اور قرآن اکیڈمی کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر تعاون کرنے کی اپیل کی۔

گوجر خان میں میلاد النبی ﷺ کا جلسہ

۱۰ جون بعد نماز عشاء گوجر خان شہر سے چار میل جنوب کی طرف واقع قصبہ گلیانہ کے محلّہ حیال کی جامع مسجد میں میلاد النبی ﷺ کا جلسہ منعقد ہوا جس میں تنظیم اسلامی گوجر خاں کے امیر جناب مشتاق حسین نے خطاب کیا۔ نو رفقاء کے علاوہ اس پروگرام میں مقامی آبادی کے تقریباً ۱۰۰ افراد نے شرکت کی۔ جناب مشتاق حسین نے اپنے خطاب میں سیرت النبیؐ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ سے ہمارے تعلق کی چار بنیادیں ہیں: حضرت محمد ﷺ پر ایمان لایا جائے، نبی اکرم ﷺ کی عزت و توقیر کی جائے، حضور نبی اکرم ﷺ کی نصرت کی جائے، قرآن پاک کا اتباع کیا جائے۔

انہوں نے اپنے خطاب میں حدیث کے حوالے سے یہ ثابت کیا کہ ہم سب پر یہ لازم ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ اپنی اولاد، اپنے ماں باپ، اپنے مال و جان غرضیکہ دنیا کی ہر شے سے زیادہ محبت کی جائے۔ اسی طرح قرآن پاک کی رو سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے ہر حکم کو بلا چون و چرا ماننا چاہئے اور اس پر عمل کرنا چاہئے۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ محبت کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کا اتباع بھی ایمان کا جزو ہے۔ اتباع کا مطلب پیچھے چلنا ہے نہ کہ آگے بڑھنا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ پر اپنا دین مکمل کر دیا اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ آخر میں مشتاق حسین صاحب نے تنظیم اسلامی کے منشور پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ قرآن پاک کا منشور ہی تنظیم اسلامی کا منشور ہے۔ یہ جلسہ رات ساڑھے گیارہ بجے اختتام پذیر ہوا۔ رفقاء رات ساڑھے بارہ بجے گوجر خان واپس پہنچے۔ (رپورٹ: مرتضیٰ شاہ)

تنظیم اسلامی میانوالی کی سود کے خلاف مہم

اس ماہ تعلیمی اداروں کو خاص طور پر دعوت کا ہدف بنایا گیا۔ ڈگری کالج کے پرنسپل صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ان کو لٹریچر دیا۔ انہوں نے بڑی توجہ سے ہماری بات سنی۔ سود کے متعلق ہینڈ بل دیئے۔ پھر کالج کے سٹاف روم میں گئے جہاں چار پروفیسر صاحبان سے ہماری ملاقات ہوئی۔ ان میں اسلامیات کے پروفیسر صفی الرحمٰن اور پروفیسر خٹک ڈاکٹر صاحب سے کافی متاثر ہوئے۔

کمرشل کالج کے پرنسپل اکرم شاہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ان کو بھی سود کے متعلق ہینڈ بل دیئے۔ ٹیکنیکل ٹریننگ سنٹر کے پرنسپل صاحب سے ملے۔ انہیں لٹریچر اور دعوت دی تو انہوں نے کہا کہ آپ صبح سات بجے آ جائیں اور یہی باتیں اسمبلی میں اساتذہ اور لڑکوں کے سامنے رکھیں۔ اگلے دن ٹیچر بشیر احمد صاحب نے تقریباً ۱۵ اساتذہ اور ۱۰۰ سے زیادہ طلباء سے دین کی ذمہ داریوں کے متعلق گفتگو کی۔ ریڈیو ٹی وی سیکشن کے ۵ اساتذہ ہمیں چائے کے لئے لے گئے۔ ان میں ایک منہاج القرآن کی ساتھی بھی تھے۔ ان سے افہام و تفہیم ہوئی، خاص کر جب بلدیاتی نظام میں عورتوں کی ۳۳ فیصد مخصوص نشستیں اور مذہبی سیاسی جماعتوں کی شمولیت اور اس پر امیر محترم کے پریس ریلیز کو ان کے سامنے پڑھ کر سنایا تو باقی اساتذہ نے کھل کر تنظیم اسلامی کے موقف کی حمایت کی کہ امیر محترم کا تجزیہ بالکل درست ہے۔

۱۱ مئی کے خطاب جمعہ کے پریس ریلیز کی ۲۰ کاپیاں فوٹوسٹیٹ کرا کر پرنسپل صاحب، پروفیسروں اور اساتذہ کو دیں۔ ایلیمنٹری کالج کے وائس پرنسپل، گورنمنٹ ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر اور سنٹرل ماڈل سکول کے اساتذہ سے ملاقاتیں ہوئیں اور انہیں سود کے متعلق ہینڈ بلز دیئے۔

صفہ کالج کے پرنسپل پروفیسر سلطان محمود صاحب سے بھی ملاقات ہوئی اور ان سے بلدیاتی انتخابات میں عورتوں کی نشستوں اور سود کے خاتمے کے لئے مذہبی دینی جماعتوں کے اصل کام کے متعلق امیر محترم کی آراء سے آگاہ کیا۔

(رپورٹ: محمد عبداللہ)

پاکستان کے سیاسی عدم استحکام کے اسباب؟

تفصیلی جائزہ ''ندائے خلافت'' کے آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Taliban act violated Islam's teachings on religious tolerance, probably had no time to notice that the issue of religious freedom is interpreted differently for Afghanistan, Pakistan, China, or Saudi Arab for that matter. The real question to ask was: Why the whole world must gang up on the Taliban if they tell UNESCO about its absurdity to allocate $ 100 million for renovating the statues at a time when people in Afghanistan are starving to death? Despite the Taliban's repeated requests, none of the donor agencies is prepared to provide any funds for establishing primary schools for baby girls or establishing separate education facilities for women at Kabul University, or initiate some long-term development activity. Handouts with a lot of strings attached is not the solution to Afghan misery.

Even if we accept that what the Taliban have done is one of the greatest losses to the visual culture of the world, still this is not the only such act in the recent past. In India alone, there has been the destruction of the Akal Takht and the Babri Masjid. This activity of destruction as catharsis is an old one. The 'potlatch' ceremonies of mass destruction of goods by Amerindians in North-East America, or the mass destruction of edible matter and aromatic herbs as in the huge yagnas of Vedic rituals, the visarjan or drowning of images of gods and goddesses in rivers after festivals or the Jain abhishek ceremonies are more manageable examples of this. Besides the demolition of Babri Masjid should the "international community" also forget, burning alive of Graham Staines, torching of churches and rampant discrimination against the lower castes in India?

An open-minded analysis of the pre and post-statues destruction period shows that the incident was blown out of proportion by the powerful propaganda of the mainstream media. This machine could make the demolition of some stone artefacts the biggest issue in the world. However, it failed to take notice of the dying Afghans inside and outside Afghanistan. To the same media demolition of homes in Palestine, mosques in India and the Balkans, sufferings and killings of people in Kashmir, Iraq, Chechnya, and Palestine are trivial matters. It would be interesting to imagine the handling of the sanctions and starvation issues by the same media machine had they been enforced against the US and its allies. Only then, we would have seen that killing the starving human beings is far more criminal than destroying a few stone statues.

The real issue is neither the Taliban nor the Bamiyan Buddha. Both are useful only as tools for whipping up the western frenzy that is expected to serve at least two purposes. First, it helps to divert the public attention from the burning issues at home. Preserving stone statues is deemed a more urgent priority than lifting the sanctions, feeding the hungry or clothing the naked. Second, it helps to establish the perverse logic by which people can be degraded into tools to serve the hidden agenda of their pseudo-human rights ventriloquists. Though the US and its allies' attitude towards Afghanistan is a frontal insult to human dignity, their imperial policies succeed in retaining the blind loyalty of the western masses to the inhuman policies. This is achieved mainly by playing up the popular craving for aggression and violence that is endemic in an age of spiritual decay. The American rule has deep psychological roots. The popular honeymoon with global power will last until its destructive scope is fully played out.

In the end, it is important to realise that the US and its allies are not just beasts that prowls at a distance. They are a potent reality at work in every international constituency that is monopolised by vested interests. The prime anti-Islam motive, so to speak, is to foster a cultic outlook in order to anchor the people on a contrived illusion. Of course, all Muslims and non-Muslims alike must decry and discredit the super-power syndrome. It is a phenomenon programmed for destruction and endemic under-development in the Muslim world. The US appears to be bent on validating the thesis of its scholars about the "clash of civilisations." Fortunately, acts of the US and its allies' are exposing their intentions and are proving the thesis wrong that the Taliban's "act of vandalism" would be detrimental to the larger interests of the entire Islamic world unless the governments and clergy of those countries speak out strongly against the Taliban.

Due to the US and its allies' policies, a major international catastrophe still looms large in Afghanistan, on the scale of the Orwellian nightmare of Ethiopia and the Sudan in 1984. Few anywhere want to know it and, some Muslim leaders apart, the mass media merely yawn. People in Afghanistan are suffering and dying. Everyone from Kofi Annan to the Sheikh of Al-Azhar, who were busy trying to save statues in Afghanistan with an energy, which mocks the thousands of dead famine victims in the country, are silent at the Afghan misery. The fate of giant Buddhas was blown to an extent that almost everyone was energised. There is, however, no word of kindness for those who are starving. The relief workers who came through the gates of Kabul are falling upon the society like wolverines. All the UN members must realise that the present government in Kabul is paid for and helped to power by the same British and US governments now imposing sanctions and starvation on top of the catastrophe already there. Blowing up Buddhas is not their major crime; their crime is not following the US dictates. Blowing statues is a petty offence compared to the satanic savagery the US and its allies' are systematically inflicting on one of the poorest, most God-forsaken countries in the world.

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کی تالیف

ایجاد و ابداعِ عالم سے عالمی نظامِ خلافت تک

تنزل اور ارتقاء کے مراحل

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

Abid Ullah Jan

Blowing statues Vs satanic savagery.

The recent decision of the World Food Programme (WFP) to stop a $12 million bread distribution program for 300,000 people in Kabul, unless the ruling Taliban militia halts restrictions on hiring women, confirms to the skeptics that the Taliban's decision to destroy Buddha statues was far less "fanatical" than the decisions taken by the US, its allies and the UN agencies on almost daily basis. Keeping nations under siege through different kinds of sanctions and then forcing them to either accept diktats for food or face starvation has been proved to be the dominant theory of the new world order. WFP's decision in this context boils down to the fact that the Taliban destroyed stone statues without blackmailing any one into doing anything against their will. However, the rest of the world is killing Afghans with the objective to force them into submission. If they want bread, they need to accept values and ways of living of the donors.

The WFP story doesn't seem to be too convincing any way. According to Reuters the Taliban Information Minister Qudratullah Jamal confirmed on April 4, 2001 that there was "no objection from [the Taliban] side against the WFP survey..." The WFP Deputy Country Director Peter Goosens then suddenly appeared on the scene unsatisfied and threatening. He asked for more women and their more active involvement. Goosens said between 600 and 700 women would be necessary to complete the survey, which he called a "huge exercise," over a two-month period. The WFP mentioned in its Emergency Report No. 12 of 2001 that more than 1.5 million needy Afghans could face severe food shortages in the next few months. It means that WFP has now abandoned them just because they couldn't recruit enough women in its programme.

It needs no great wisdom to understand that bread is neither something that the Afghans would stock unnecessarily nor could it be stocked for too long. It is also insane to assume that men would eat all the bread distributed by WFP bakeries and women and children would be simply forced by the "barbarians" to watch them filling their stomach. The survey might be necessary and participation of women in it would also be required, but it certainly is not as big an alternative-less issue to start starving the already dying Afghans. Does the WFP want to tell the Afghan that it cares much for their women that they are willing to starve them to death? Or it is another way to say: if you want bread, you have to dance to our tunes; you stop dancing and we stop feeding; the whole world cares for the stone statues but no one cares for your dying a slow death in millions.

The international silence over WFP's decision is in total contrast to the hue and cry that we witnessed as a result of the Taliban's pledge to destroy all the statues in Afghanistan. The latest twists and turns give us an opportunity to revisit the Buddha issue which provided editorial writers with many of their favourite indignation-producing elements: an obvious villain, an evil deed, a foreign setting, and the cachet of culture. A closer look at the Afghans misery reveal that the western love for relics was just a trick to justify further tightening the noose around the Taliban's neck.

The closure of bakeries in Kabul is justified in the name of women because it wants the women to get employed but no one seems to care that most of the deceased so far have been children under the age of five and women. Perhaps the only consolation in all of this is that the Afghan women may never know how much the world cared for two statues and their "rights" to throw off hijab and how little it cared for their food, shelter and well-being. Such incidents are good opportunities to expose the prevailing hypocrisy in international affairs, policy making and media reporting. A piece in Britain's Observer wrongly identified two aims of the Taliban: "One is nationalist as much as religious. It is to invent a completely new, completely untrue past for Afghanistan, in which no trace of any other religion or empire or regime apart from their own can be found. ... The second motive is a mixture of revenge and reproach. The Taliban leaders are hurt by the West's disgust with them. They know the rich west cares desperately about the archaeological heritage of Afghanistan; this is a way to hit back." This simply reflects the guilty conscience of the Western analysts for the double standards followed both in political decisions and reporting the ground situation. They should rather ask: what are the motives of world powers who are bent upon keeping the Afghans on death bed with relief aid and no assistance, whatsoever, for rehabilitation, reconstruction and development.

An op-ed in the Independent of London declared that one should not "become so absorbed in mourning these ancient stones that one forgets what the Taliban is doing every day to the people of Afghanistan-especially the women. ... [Y] ou cannot expect the people of Afghanistan to worry about what the Taliban is doing to old stones when you see what it is doing to them." In fact, the ground realities in the wake of western antagonism towards the Taliban make us forget the stone statues, particularly when we think about what the Western nations and the UN agencies are doing to Afghans under the guise of sanctions on their leadership.

Those who hastily declared the

Vol : 10 Regd. CPLNo. 127 No. 23
WEEKLY NIDA-I-KHILAFAT LAHORE

افہام و تفہیم

☆ دینی جماعت اور اسلامی حکومت میں فیصلے کے طریق کار میں فرق کی کیا وجہ ہے؟

☆ امیر سے اجتہادی غلطی کی صورت میں کارکن کس حد تک اختلاف کر سکتا ہے؟ ☆ نفاق اور ضعف الایمان میں کیا فرق ہے؟

قرآن آڈیٹوریم میں ہفتہ وار درس قرآن کے بعد امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد سے سوال و جواب کی نشست

س: اگر امیر سے کوئی اجتہادی غلطی ہو جائے اور وہ جماعت کو کسی غلط راستے پر لے جائے تو ایسی صورت میں کارکن کو کس حد تک اختلاف کی اجازت ہے؟

ج: اختلاف ہونا اور اختلاف کا اظہار دو مختلف چیزیں ہیں۔ میرے نزدیک اختلاف کی تو ہر صورت میں اجازت ہونی چاہئے البتہ اختلاف کے اظہار کے لئے اس نوعیت کے راستے اپنانے چاہئیں جو اسلامی تعلیمات کے مطابق ہوں اور جن سے جماعت کے اندر کوئی انتشار اور بگاڑ پیدا نہ ہو اور نہ ہی عمومی تاثر پر منفی اثر نہ پڑے۔ مثلاً یہ کہ طریق کار اور پالیسی سے متعلق اختلافی گفتگو کو عوام کے اندر لے جانے کے بجائے ساتھیوں ہی تک محدود رکھا جائے۔ یا پھر رفقاء کے اجتماعات میں اپنے اختلافات کا اظہار کرنا چاہئے۔ اس مقصد کے لئے تنظیم اسلامی میں ایک مرکزی مجلس شوریٰ کے علاوہ ایک توسیعی شوریٰ بھی رکھی گئی ہے' جس کا اجلاس سال میں ایک مرتبہ ہوتا ہے۔ اس فورم میں تنظیم کے تمام رفقاء کو دعوت دی جاتی ہے کہ جو رفیق بھی آنا چاہے' آ سکتا ہے اور جو کچھ بھی کہنا چاہے' کہہ سکتا ہے۔ اختلاف کے اظہار کے لئے باقاعدہ راستہ اور طریقہ کار ہونا چاہئے ورنہ جماعت کی ساکھ متاثر ہونے کے ساتھ جماعتی نظم میں بھی بگاڑ پیدا ہوگا۔ تاہم اگر کسی شخص کے خیال میں یہ اجتہادی غلطی اتنی بڑی ہے کہ اس سے تحریک کی نوعیت ہی بدل گئی ہے تو ایسی صورت میں وہ اس سے علیحدہ بھی ہو سکتا ہے اور اپنے لئے کوئی بہتر تنظیم تلاش کر سکتا ہے۔

س: آپ کا موقف ہے کہ کسی معاملے میں فیصلے کے لئے جماعتی سطح پر تو امیر کا فیصلہ آخری ہوگا لیکن حکومتی سطح پر اس مقصد کے لئے جمہوریت ہو سکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسلامی حکومت قائم ہونے کی صورت میں اس کا سربراہ تو امیر ہی ہوتا ہے جیسا کہ حضور ﷺ اسلامی حکومت کے سربراہ بھی تھے اور اسلامی جماعت کے امیر بھی تھے۔ اسی طرح کی صورت حال اب افغانستان میں بھی ہے۔ اس ضمن میں وضاحت کیجئے۔

ج: میرے نزدیک حکومتی سطح پر جمہوری اصول اور کثرت رائے کا لحاظ ممکن ہے۔ یہ ناممکن نہیں ہے۔ حکومت اور جماعت میں ایک واضح فرق یہ ہوتا ہے کہ دائرہ اختیار کے حوالے سے جماعت کی کوئی علاقائی حد نہیں ہوتی جبکہ حکومت کے معاملے میں دائرہ اختیار کسی خاص علاقے تک محدود ہوتا ہے۔ ایک مملکت میں جتنے بھی لوگ رہائش پذیر ہوں' وہ تمام کے تمام اس ملک کے شہری ہونے کے ناطے لازماً اس حکومت میں شامل ہوں گے جبکہ جماعت کے حوالے سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کسی علاقے کے تمام افراد اس میں شریک ہیں۔ جماعت میں شرکت خود اختیاری اور رضا کارانہ ہوتی ہے اور اس سے خروج بھی اختیاری ہوتا ہے۔ لہٰذا اس بنیاد پر ایک فرق ضرور پڑے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ خلافت راشدہ میں امیر کے ہاتھ میں اسی طرح اختیار تھا جیسے حضور ﷺ کے ہاتھ میں تھا' لیکن آج کل کے حالات میں ہمیں اس بارے میں غور و فکر کرنا پڑے گا۔ موجودہ دور کا امیر المومنین یقیناً ہمارے معاشرے ہی کا کوئی فرد ہوگا اور اس معاشرے میں جو نقائص اور کمزوریاں پائی جاتی ہیں' ان کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ دیکھنا پڑے گا کہ آیا اس امیر کو بھی اسی طرح کا حتمی اختیار دے دیا جائے جو کہ خلیفہ راشد کو حاصل تھا یا پھر یہ کہ اقتدار کا توازن برقرار رکھنے کیلئے اس پر مختلف قدغنیں لگائی جائیں یعنی checks & balances کا نظام اپنایا جائے۔ لہٰذا اس مسئلے کیلئے ہمیں دو نکات کو باریک بینی کے ساتھ حل کرنا ہوگا۔ ایک تو علاقائی حد کا معاملہ ہے جبکہ دوسرا مسئلہ ایسے تربیت یافتہ افراد کی دستیابی کا ہے جن کی اہلیت و قابلیت کے حوالے سے کوئی ان پر انگلی نہ اٹھا سکے۔

امیر سے اختلاف کی ایک مثال ہمیں خلافت راشدہ میں بھی ملتی ہے جس کے حل کیلئے ایک باقاعدہ کمیٹی تشکیل دی گئی تھی۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں عراق' شام' مصر اور ایران فتح ہونے کے بعد زمینوں کی ملکیت کا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ مجاہدین کا کہنا تھا کہ چونکہ یہ سب مال غنیمت ہے لہٰذا یہ تمام علاقے ہمارے مابین تقسیم کر دیئے جائیں۔ اگر ان کا موقف تسلیم کر لیا جاتا تو اس کے نتیجے میں ایک بہت بڑا جاگیرداری نظام وجود میں آ جاتا لہٰذا حضرت عمرؓ نے اس موقف کو تسلیم نہیں کیا' بلکہ آپؓ کی رائے تھی کہ یہ مال فے شمار ہوگا۔ البتہ آپ نے امیر المومنین ہونے کے باوجود اپنی رائے کو وہاں نافذ نہیں کیا تھا بلکہ اس پر بحث جاری رکھی۔ صحابہ کرام نے اپنے دلائل دیئے' حضرت عمرؓ کے اپنے دلائل تھے۔ پھر حضرت عمرؓ نے ایک کمیٹی بنائی جس میں پانچ افراد اوس کے قبیلے سے اور پانچ افراد خزرج کے قبیلے سے شامل کئے گئے۔ یہ دونوں قبائل مدینہ سے تعلق رکھتے تھے اور انہی کے افراد پر کمیٹی تشکیل دینے میں حکمت یہ تھی کہ مدینہ کے لوگ پرانے کاشت کار تھے جبکہ مہاجرین کا تعلق تجارت کے پیشے سے تھا اور وہ کاشت کاری سے متعلق امور سے ناواقف تھے۔ چنانچہ ان ماہرین کے سامنے حضرت عمرؓ نے بھی اپنا موقف رکھا اور دوسرے لوگوں نے بھی۔ جب اس کمیٹی نے حضرت عمرؓ کے حق میں فیصلہ دیا تو وہ نافذ ہوا۔ اس اعتبار سے ہمیں ایک مثال ملتی ہے کہ حکومتی سطح پر صرف امیر اپنے فیصلے پر جازم ہو کر اسے نافذ نہ کرے۔

س: نفاق اور ضعف ایمان کا فرق بیان فرما دیں۔

ج: ضعف ایمان سے مراد یہ ہے کہ ایمان کی کمزوری کی وجہ سے آپ سے کوئی خطا سرزد ہو جائے یا غلطی کا ارتکاب ہو جائے۔ حکم ملنے کے باوجود مال و دولت اور اہل و عیال کی محبت آڑے آ جائے اور آپ جہاد میں نہ جا سکیں۔ یہ ضعف ایمان ہے۔ لیکن اس کی علامت یہ ہے کہ اس کا شکار فرد اپنی غلطی کو تسلیم کر لے گا۔ وہ کوئی جھوٹا بہانہ نہیں بنائے گا بلکہ اپنی کوتاہی پر معافی کا طلب گار ہوگا۔ جب تک یہ کیفیت رہے' اسے ضعف ایمان کہیں گے۔ لیکن جب اپنی خطا پر پردہ ڈالنے کے لئے جھوٹ کا سہارا لیا جائے تو اب نفاق کی طرف سفر شروع ہو جائے گا۔ ٹی بی کے تین مرحلوں کی طرح نفاق کے بھی تین درجے ہیں۔ پہلے درجے میں انسان اپنی کمزوری کو چھپانے کیلئے جھوٹے بہانے تراشتا ہے۔ پھر جب وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے بہانہ بنانے پر بھی لوگ مسکرا دیتے ہیں اور اسے تسلیم نہیں کرتے ہیں تو پھر وہ اپنی سچائی ثابت کرنے کے لئے قسمیں کھانا شروع کر دیتا ہے۔ یہ نفاق کا دوسرا درجہ ہے۔ اس کے بعد تیسرا درجہ آتا ہے کہ جس میں صادق الایمان لوگوں سے دشمنی ہو جاتی ہے۔ ایسے میں منافق سمجھتا ہے کہ انہی لوگوں نے مجھے مروایا ہے۔ یہ بھی اگر میری طرح حکم عدولی کرتے تو میں نمایاں نہ ہوتا' لیکن انہوں نے تو پکار پر فوراً لبیک کہہ دیا۔ لہٰذا ان صالحین سے اس کی عداوت پیدا ہو جاتی ہے۔